

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شمائل نبوی

ﷺ
صلی اللہ علیہ وسلم

کامیابانِ آفرین و زمزم

... تالیف ...

عبداللہ القیوم حقانی

القاسم ایڈمی • جامعہ الہادیہ

خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد - پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعمیر النبی

کا ایمان اور واقعہ

عبدالقیوم حقانی

۲۰۰۲

القاسم ایڈمیٹری • جامعہ اسلامیہ

خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد - پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

شمال نبوی ﷺ کا

ایمان افروز مرقع

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبدالقیوم حقانی

حضور اقدس ﷺ کے اسماء مبارکہ، پانچ صفاتی ناموں کی تشریح، اسم محمد و احمد کی توضیح، گذراوقات کے احوال، الفقر فخری کے عملی نمونے، مدنی زندگی کے آخری لمحات، عمر مبارک میں قول راجح کی تعیین، وصال مبارک، تاریخ وصال، موت کی شدت و نرمی، نزع میں استقلال، صحابہؓ غم سے نڈھال، غسل کا مرحلہ، مقام تدفین، یوم تدفین کی روایات میں تطبیق، نماز جنازہ کی نوعیت و تفصیلات، مسئلہ خلافت و امیر کا انتخاب، ترکہ و وراثت، خواب میں زیارت و ملاقات، طالبانِ علومِ نبوت کے لئے وصیتیں، اتباعِ سنت کی تاکید، شمال ترمذی کی سینتالیس (۴۷) احادیث کی تشریح و توضیح

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

فون و فیکس ! 0923(630237)630094

کرم

جملہ حقوق بحق ”القاسم اکیڈمی“ محفوظ ہیں

84652

نام	:	شائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع
تصنیف	:	عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	153 صفحات
پروف ریڈنگ	:	استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمن رکن القاسم اکیڈمی
تاریخ اشاعت	:	شوال ۱۴۲۶ھ نومبر 2005ء
تعداد بار اول	:	1100
قیمت	:	
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

=====

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۲۵۸ گارڈن ایسٹ نزد بسیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمن راشدی، جامعہ ابوہریرہ چنوں موم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

صفحات

نام کتاب

۱۶۰۸	شرح شمائل ترمذی (۳ جلد مکمل)	۱
۲۰۶	جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر	۲
۱۵۶	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں	۳
۲۱۰	ماہتاب نبوت ﷺ کی صو افشانیاں	۴
۲۰۲	آفتاب نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں	۵
۱۹۷	محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں	۶
۱۸۷	محبوب خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال	۷
۱۶۶	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر	۸
۱۵۳	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع	۹

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون و فیکس ! 630094 --- (0923)630237



نہ ممکن ہو سکی تکمیل شرح مدعا مجھ سے
بہت عنوان بدلے لاکھ اندازِ بیاں بدلا



مجھ کو رہنے دو یونہی مجھ تماشاے جمال
نہیں ہوتی جو میرے شوق کو سیری نہ سہی



ذرا اے بے خودی میری مجھے اتنا تو بتلا دے
کہ طے کر کے یہ منزل پھر کہاں ہوگا گذر اپنا





فہرست مضامین

شما نکل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳	الحاشر	۱۱	مقدمہ
۲۳	العاقب		
۲۵	نبی الرحمة		
۲۶	نبی التوبة	۱۹	باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ
۲۷	المقفی		باب! حضور اقدس ﷺ کے اسماء مبارکہ کے بیان میں
۲۷	نبی الملاحم		
	باب ماجاء فی عیش النبی		
۲۹	باب! حضور اقدس ﷺ کے گذر اوقات کے بیان میں	۱۹	لفظ اسماء کا معنی کا مصداق
		۲۰	آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام -
		۲۰	اسم "محمد" کی تشریح
۲۹	تکرار باب کیوں؟	۲۱	اسم "احمد" کی تشریح
۲۹	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی توجیہات	۲۳	"الماحی" کی تشریح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۸	”عناق“ اور ”جدی“ کا معنی ---	۳۱	چند کھجوروں پر قناعت ---
۴۸	ضیافت میں وسعت ---	۳۲	امت چار گروہوں میں بٹ گئی --
۴۹	مخلص خادم کیلئے انعام کا اعلان --	۳۳	الْفَقْرُ فَخُورِي کے عملی نمونے ---
۴۹	جو آقا کی مرضی وہی غلام کی مرضی -	۳۴	گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہ جلتی
۵۰	غلام کا انتخاب اور وجہ انتخاب ---	۳۵	بعض اوقات گھر میں چراغ کا تیل بھی میسر نہ ہوتا
۵۰	اخذ مسائل ---	۳۶	شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھنا
۵۰	غلاموں سے حُسنِ سلوک کی تاکید -	۳۶	ایک اشکال سے جواب ---
۵۱	ہر انسان کے دو مشیر ---	۴۱	واقعات متعدد ہو سکتے ہیں ---
۵۲	پہلا شخص جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا	۴۱	حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدس
۵۳	اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلانے والا -	۴۱	صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مناسبت حاصل تھی -
۵۳	صحابہ کرامؓ کی غربت و فقر کا ایک منظر	۴۳	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عاشقانہ انداز
۵۳	سریة الخبیط ---	۴۴	حضرت عمرؓ کی حاضری ---
۵۴	قصہ سعدؓ کا پس منظر ---	۴۴	ابو الہیثم انصاریؓ ---
۵۶	حضرت سعدؓ کا استدلال ---	۴۴	محبوب در دولت پر ---
۵۷	حضرت عمر فاروقؓ کی پیشگی ناکہ بندی	۴۴	اخذ مسائل ---
۵۸	المرید ---	۴۶	تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا
۵۸	بصرہ ---	۴۷	پیٹ بھر کر کھانا کھانا ---
۵۹	مقام بصرہ میں کاروان کا پڑاؤ ---	۴۷	صحابیؓ اور ان کے اہل و عیال پر شفقت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۰	پہلی روایت کی تائید -----	۵۹	فد کروا کی ضمیر کا مرجع -----
۷۱	دفعِ تعارض -----	۵۹	تعمیر بصرہ کی تکوینی منصوبہ بندی --
۷۲	تاویلِ روایت -----	۶۰	ایک چادر کے بھی دو ٹکڑے کر لیے -
۷۳	حضرت انسؓ کی روایت میں تاویل -	۶۰	ایک بے مثال دورِ حکومت -----
	باب ماجاء فی وفات	۶۲	آغازِ اسلام میں کفار کی مزاحمت بہت شدید تھی
	رسول اللہ ﷺ	۶۲	خوراک کی معمولی مقدار پر دو ہفتے گزارہ کرتے رہے
۷۴	باب! حضورِ اقدس ﷺ کی	۶۴	ضفف کا معنی -----
	وفات کے بیان میں	۶۴	صبح اور شام کے کھانے میں معمول -
		۶۶	مدنی زندگی کے آخری لمحات کا منظر -
			باب ماجاء فی سن
۷۴	لفظِ وفاة کا معنی -----		رسول اللہ ﷺ
۷۵	ورقِ مصحف کے ساتھ رُخِ انور کی تشبیہ	۶۷	باب! حضورِ اقدس ﷺ کی عمر
۷۶	عرضِ نظارہ -----		مبارک کے بیان میں
۷۶	تاریخِ وصال میں اختلاف -----		
۷۷	مسجدِ شریف آوری تین مرتبہ ہوئی -		
۷۷	وقتِ وفات کی مختلف روایات کی تطبیق	۶۷	لفظِ سن کا معنی اور تشریح -----
۷۹	مفاخرہ سیدہ عائشہؓ -----	۶۸	عمر مبارک میں قولِ راجح کی تعیین -
۸۰	دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب	۶۹	اصح الراویات -----

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۱	صواحبِ یوسف کے ساتھ تشبیہ -	۸۰	استنباط مسائل - - - - -
۱۰۱	قولِ اول - - - - -	۸۱	نزع میں استقلال اور توجہ الی اللہ کا اہتمام
۱۰۲	قول دوم - - - - -	۸۱	علامہ البیجوری کی تشریح - - - - -
۱۰۲	صدیق اکبرؓ نے امتثال امر کو ترجیح دی	۸۲	قبضِ روح میں اعزازِ خداوندی - -
۱۰۳	جن خوش نصیبوں پر حضورؐ نے تکیہ فرمایا تھا	۸۴	موت کی شدت اور نرمی - - - - -
۱۰۳	آپؐ کا وصال، اُمت کیلئے عظیم صدمہ	۸۵	حاصلِ بحث - - - - -
۱۰۴	نمازِ جنازہ کی نوعیت و تفصیلات - -	۸۶	مقامِ تدفین میں اتفاق - - - - -
۱۰۶	مدفن مبارک - - - - -	۸۶	شانِ صدیق اکبرؓ - - - - -
۱۰۶	غسل کا مرحلہ - - - - -	۸۸	تقبیلِ میت سنت ہے - - - - -
۱۰۷	مسئلہ خلافت اور امیر کا انتخاب - - -	۸۹	حضرت ابو بکر صدیقؓ کی والہیت - -
۱۰۸	ابو بکر صدیقؓ کی تین امتیازی خصوصیات	۹۰	اوصافِ میت کا بیان جائز ہے - - -
۱۰۹	حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کی زندگی میں	۹۱	نورِ نبوت کی ضیا پاشیاں - - - - -
۱۰۹	آپؐ کی نیابت فرمائی - - - - -	۹۲	اور جب وصال ہوا - - - - -
۱۰۹	ایک اعتراض کا جواب - - - - -	۹۳	سیدہ فاطمہ الزہراءؓ کا مرثیہ - - - -
۱۱۰	حضورؐ کے وصال پر صحابہؓ غم سے نڈھال ہو گئے	۹۴	پیر کا روز یومِ وصال ہے - - - - -
۱۱۲	لفظ "فرط" کا معنی - - - - -	۹۵	تدفین میں تاخیر کیوں؟ - - - - -
۱۱۳	فوت ہونے والے چھوٹے بچے ذخیرہٴ آخرت بنیں گے	۹۶	یومِ تدفین کی روایات میں تطبیق - -
۱۱۳	حضورؐ کی جدائی سب سے بڑا صدمہ ہے	۱۰۰	انبیاء پر بیہوشی آسکتی ہے، مگر جنون نہیں
		۱۰۱	نرمی صدیق اکبرؓ کی طبعی افتاد تھی -

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۹	تفصیلی قصہ -----	۱۱۵	باب ماجاء فی میراث رسول اللہ ﷺ
۱۳۵	باب ماجاء فی رؤیة رسول اللہ ﷺ	۱۱۵	باب! حضور اقدس ﷺ کے ترکہ کے بیان میں
	فی المنام	۱۱۵	حضور اقدس ﷺ کی وراثت --
	باب! حضور اقدس ﷺ کے خواب میں دیکھنے کے بیان میں	۱۱۶	ترکہ انبیاء کے وارث نہ ہونے کی حکمتیں
		۱۱۸	سیدہ فاطمہؓ کے سوال کا منشاء اور تفصیلی جواب
		۱۱۹	حضور اقدس ﷺ کا جمیع ترکہ --
۱۳۵	لفظ رؤیة اور رؤیا کا معنی اور فرق --	۱۱۹	حضرت ابو بکرؓ نے مسئلہ شرعی کی وضاحت
۱۳۵	حقیقت خواب -----	۱۲۰	کردی انبیاء کے عیال کے نفقہ کا مسئلہ
۱۳۶	منامی حقائق اور مسلک اہل سنت والجماعت	۱۲۲	حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی خصومت کی حقیقت
۱۳۸	شیطان، حضورؐ کی شکل و صورت نہیں بنا سکتا	۱۲۲	ابوداؤد کی روایت -----
۱۳۹	ایک طے شدہ امر -----	۱۲۳	اصل مسئلہ -----
۱۳۹	شیخ مدنیؒ کی تقریر -----	۱۲۵	نہی اور نفی کی صورت میں مراد کی تعیین
۱۴۰	امر منامی کی شرعی حیثیت -----	۱۲۶	مولانا محمد زکریاؒ کی مزید توضیح -----
۱۴۰	امام شاطبیؒ کا نقل کردہ قصہ -----	۱۲۷	بعض اعتراضات کے جوابات --
۱۴۵	توضیح -----	۱۲۷	الحاصل -----

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۵۰	گذشتہ باب سے مناسبت	۱۳۶	رویتِ حق کا معنی
۱۵۱	علمِ حدیث میں اُستاد کا انتخاب	۱۳۷	مومن کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے
۱۵۱	علمِ حدیث دین ہے	۱۳۹	طالبانِ علوم نبوت کے لئے دو خصوصی نصیحتیں
۱۵۱	تکمیلِ روایت	۱۳۹	منقولات کے اتباع کا اہتمام
۱۵۲	امام ترمذی کی غرضِ ایرادِ اثر	۱۳۹	امام عبد اللہ بن مبارک
۱۵۲	باب سے مناسبت	۱۵۰	اتباعِ سنت کی تاکید



مُقَدِّمَةٌ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة
۱۹۹۱ء کی بات ہے برطانیہ کے شہر ہیلی فیکس میں سیرت النبی ﷺ کے سلسلے میں ایک جلسہ
کے اختتام پر ایک بہت بڑا اجتماع منعقد ہوا، رجالِ دین اور اربابِ دانش نے اپنے اپنے
انداز میں حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، اس موقع پر ایک حبشی
نژاد کالے مسلمان نے انگریزی میں ایک آزاد نعتیہ نظم پیش کی وہ نعت کیا تھی، ذوق
و وجدان کی ایک پوری کائنات تھی، اس نعت کے محض الفاظ و حروف ہی مرصع نہیں تھے بلکہ
بذاتِ خود انقلابِ فکر و خیال کا مرقع تھی اور متن تو روح پرور تھا ہی مفہوم بھی دلکش اور دل
نشین تھا، انگریزوں کی اچھی خاصی تعداد بھی اس اجتماع میں موجود تھی، اس نظم کا مفہوم
کچھ یوں تھا۔

”زمین و آسمان کے خالق نے انسان کو پیدا کیا۔۔۔ اس کا مقدر بھی لکھ دیا۔
دولت مند کو آسودگی ملی اور غریب کو فاقہ مستی۔۔۔ ایک میں تھا۔۔۔ کہ خالق نے مجھے سیاہ
رنگت دے دی۔۔۔ دنیا کے کسی خطے نے مجھے گوارا نہ کیا۔۔۔ گورے نے مجھے بیڑیاں
ڈال دیں۔۔۔ اور نفرت سے کہا ”تم کالے ہو“۔۔۔ تم غلام ابن غلام ہو۔۔۔ میرے
موشی چراؤ۔۔۔ میرے زمینوں پر ہل چلاؤ۔۔۔ کہ تم محکوم اور غلام ہو۔۔۔ میں نسل در نسل
پستار ہا۔۔۔ پھر اچانک عرب کے صحرا سے۔۔۔ خطہ بے آب و گیاہ سے۔۔۔ ایک پیکر
رحمت اٹھا۔۔۔ اس نے ہاتھ پھیلا کر مجھے بلایا اور کہا ”میری جانب بڑھو“۔۔۔ میں تمہاری

زنجیریں توڑنے والا ہوں۔۔۔ تمہیں مبارک ہو کہ آج کے بعد۔۔۔ ”کسی گورے کو تم پر کوئی فضیلت نہ ہوگی“ وہ کون تھا؟۔۔۔ جس نے مجھے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔۔۔ محمدؐ۔۔۔ بلال حبشیؓ کا آقا۔۔۔ محمد ﷺ۔۔۔

0

اس نظم کا مفہوم ذہن میں رکھ کر اس وقت کی دنیا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لائیے تو ساری بات سمجھ میں آ جائے گی۔

کوئی نہ ماننے پر تل جائے تو اس کی مرضی ورنہ وہی انقلاب ”انقلابِ کامل“ تھا جو انسانِ کامل کے ہاتھوں پندرہ صدیاں قبل برپا ہوا تھا، جس کے نتیجے میں لفظ و معنی کے درمیان سب فاصلے مٹ گئے، مساوات کا مطلب تھا تمیز بندہ و آقا کا خاتمہ، آزادی کا معنی تھا صرف ایک خدا کی بندگی اور امن کا مفہوم تھا، رحمۃ اللعالمینی۔

مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ خیر و شر، حق و باطل اور نیکی و بدی کی تمام حدیں مٹا دی جائیں۔ آزادی کا یہ معنی نہیں کہ خواہشاتِ نفس کی غلامی میں آ کر جو چاہو کرتے پھرو اور امن کا یہ مفہوم نہیں کہ چند بڑی طاقتیں مل کر پوری دنیا کو امن کے نام پر امن سے محروم کر دیں۔

حبشی نژاد کی نعتیہ نظم محض شاعری نہیں بلکہ مستقبل کی صورت گری کی ایک آرزو ہے، جو صدیوں سے تشنہ چلی آرہی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسانوں کو کس نظر سے دیکھا جائے؟ اگر تو زبان کے اعتبار سے انسان کو دیکھا جائے تو یقیناً ایک زبان کے علاوہ دوسری زبانیں کاٹ پھینکنے کے قابل ٹھہریں گی، اگر نسل کو معیار بنایا جائے تو مختلف نسل کے لوگ تختہ دار پر نظر آئیں گے، اگر وطن بنیاد قرار پائے تو دوسرے خطوں کے لوگ دشمن کہلائیں گے۔ اور اگر عرب و عجم اور مشرق و مغرب کا زاویہ نگاہ اپنایا جائے تو ہر علاقہ دوسرے سے برسرِ پیکار رہے گا، حضور ﷺ نے ان سب پر لکیر کھینچ کر ”رب العالمینی“ اور ”رحمۃ للعالمینی“ کا تصور پیش کیا۔

0

آپ نے جس خدا کا تعارف اہل دنیا سے کرایا وہ زبان و بیان کے تعینات سے پاک ہے، مگر سب زبانوں کو سمجھتا اور کسی کے بیان کی احتیاج نہیں رکھتا، وہ ڈچ زبان کی مناجات بھی اسی طرح سنتا ہے جس طرح عرب والوں کی، وہ افریقیوں کی بات بھی سمجھتا ہے اور ایشیا والوں کی بھی، وہ غزالی "اور رازی" کے عالمانہ نکات کو بھی جانتا ہے اور کسی عاصی و خاطی کی عامیانہ بات کو بھی، حتیٰ کہ وہ نہ بول سکنے والے گونگے لوگوں کی بے زبانی کو بھی خوب سمجھتا ہے، اس لئے وہ اپنی مخلوق کی زبان کے اعتبار سے تقسیم کو پسند نہیں کرتا، وہ خدا نسل اور ذات پاک سے بھی پاک ہے، اس کے ہاں قریشی و ہاشمی سے لے کر گنگو اتیلی تک بلحاظ نسل برابر ہیں اس کے ہاں کسی کا تقویٰ ہی معیار فضیلت ہے اس لئے اس کے ہاں نسلی درجہ بندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

وہ خدا زبان و مکان سے پاک ہے، اور کوئی مخصوص جگہ اس کا وطن نہیں لازمی نہیں کہ وہ عرش کے فراز میں رہے وہ غریب کے دل گداز میں بھی رہتا ہے، ضروری نہیں کہ وہ فرشتوں کی پاکیزہ محفل میں رہے وہ کسی یتیم کے شکستہ دل میں بھی موجود ہوتا ہے، یہ واجب نہیں کہ وہ آسمان کی بلندیوں میں قرار پکڑے وہ بے نواؤں کی خانماں بربادیوں اور پستیوں میں بھی خوش رہتا ہے، اس لئے وہ اپنی مخلوق کو وطن کی بناء پر ایک دوسرے کا دشمن بننے کی اجازت نہیں دیتا۔

0

اسی طرح رحمۃ للعالمین کو بھی زبان، نسل اور وطن کے لوٹ سے پاک رکھا، آپ کی ایک ہی مجلس جو مسجد نبوی کے کچے دالان میں برپا ہوتی تھی۔ وہ "اقوام متحدہ" کا خوبصورت عکس پیش کرتی تھی، مکے کے مہاجر، مدینے کے انصار، فارس کے سلمان، حبش کے بلال، روم کے صہیب، رؤساء میں سے عثمان غنی، غرباء میں سے عبداللہ ذوالجواہرین، اشراف میں سے عمرؓ علیؓ اور خانوادہ غلاماں میں سے انسؓ ایک ساتھ اس طرح بیٹھے نظر آتے تھے کہ دیکھنے والا انہیں اگرچہ مختلف رنگوں میں دیکھتا مگر ان سب پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ، غالب ہوتا، وطنیت ان کی مختلف تھی مگر مقصدیت میں کوئی اختلاف نہ تھا، ان کی زبان الگ الگ

تھی مگر عقیدہ و ایمان ایک تھا، ان کی نسل جداگانہ تھی مگر ”اصل“ ہمیشہ ایک رہی یعنی دین اسلام“ یہ آپ کی رحمۃ للعالمین کا اعجاز تھا کہ سلمانؓ کو اہل بیت میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا، بلالؓ مسجد نبوی کے مؤذن بنے اور صہیبؓ ”مسجد نبوی کے امام قرار پائے۔ حضور اقدس ﷺ کی عالمی نبوت اور دائمی رسالت کی بے شمار دلیلیں ہیں، صادق و امین ہونا کتنی بڑی دلیل ہے، لامرکزیت کے مریض خطے کو باقاعدہ ایک ریاست عطا کرنا بھی بہت بڑی دلیل ہے، تعصبات کی گرد میں اٹے ہوئے معاشرے کو نخوت جاہلیہ سے نجات دلانا بھی ایک واضح دلیل ہے، جنگجو قبائل کو امن عالم کا ضامن بنا دینا مبین دلیل ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت اور بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے جسے جوش نے اپنے آہنگ میں پیش کیا ہے۔

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
تو نے گدائے راہ کو بخشا شکوہ قیصری

0

آپ ہی کا فیض تھا کہ گدائے راہ کسی قیصر و کسریٰ کو نگاہ میں نہیں لاتے تھے، پیدائشی غلام کسی بھی سیم و زر کے دام سے پھنسنے کو تیار نہیں ہوئے، افتادگانِ خاک اتنے بے باک ہو گئے کہ غلامی کے سارے پردے چاک کر دیئے، خاک بسر لوگ اتنے جری اور نڈر بن گئے کہ کجکلا ہوں کا ہر خوف و خطر ذہن بدر کر دیا۔

آج اگر کوئی حبشی تشکر آمیز نعت پیش کرتا ہے تو اس پر ایسی نعت پیش کرنا واجب ہے کیوں کہ اس نے کمپیوٹروں کے زمانے میں دیکھ لیا ہے کہ اس کی کالی رنگت اس کے لئے آج بھی وجہ ملامت ہے جبکہ جھونپڑیوں کے زمانے میں یہی کالی رنگت اس کے لئے باعث عزت تھی جیسی تو حضرت بلالؓ کی وفات پر خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے یہ کہا تھا ”مات سیدنا“ (ہمارے سردار انتقال کر گئے ہیں) جیسی تو ایک بار حضرت ابو بکرؓ کے کسی لفظ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو رنجیدہ کر دیا تو حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کا سلام قبول نہیں کیا تھا اور فرمایا تھا ”سلمانؓ جس سے ناراض ہو جائے تو خدائے رحمان اس

سے ناراض ہو جاتا ہے۔ یہ عزت، یہ توقیر، یہ منصب، یہ اعزاز حراماں نصیبوں، خاک نشینوں، سوختہ بختوں، حبشیوں اور غلام زادوں کو کس کے طفیل نصیب ہوا؟ اسی دریتیم ﷺ کے صدقے، جس کی حکمت نے ہر یتیم کو ”دریتیم“ بنا دیا اور

ع
غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا

0

ہر انسان آکسیجن سے سانس لیتا ہے لیکن مسلمان کی سانس کا دوسرا نام عشق رسولؐ ہے، ہر انسان پانی پی کر جیتا ہے لیکن مسلمان حب رسولؐ کی آب و ہوا میں زندہ رہتا ہے ہر انسان آنکھ سے دیکھتا ہے لیکن مسلمان کی آنکھ کا سرمہ خاکِ مدینہ ہے، ہر انسان کے پہلو میں دل دھڑکتا ہے لیکن مسلمان کے دل کی دھڑکن یاد رسولؐ ہے، ہر انسان کی وگوں میں خون دوڑتا ہے لیکن مسلمان کی رگوں میں محبت رسولؐ گردش کرتی ہے، ہر انسان زندگی کو زندگی سمجھ کر بسر کرتا ہے۔

لیکن مسلمان خدا و رسولؐ کی خوشنودی کے لئے زندگی گزارتا ہے ہر انسان موت سے خوفزدہ رہتا ہے لیکن مسلمان شہادت کی آرزو رکھتا ہے، ہر انسان نفع و نقصان کے حوالے سے سوچتا ہے لیکن مسلمان ہر چیز کو عقیدہ و ایمان کے ترازو میں تولتا ہے۔ ہر انسان اپنی ناموس کی فکر میں رہتا ہے لیکن مسلمان اپنی جان کو حرمت رسولؐ پر لٹا دینے کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہے۔

نماز اچھی ، روزہ اچھا ، حج اچھا ، زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے ، مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل مرا ایمان ہو نہیں سکتا

0

بد قسمتی سے عالم اسلام کی بعض کمزوریاں اور کوتاہیاں یورپ کو ایسے مسائل پیدا کرنے پر ابھارتی ہے، اس کا نفسیاتی پر اہلم یہ ہے کہ تاریخ کے ہر موڑ پر اسے اگر سابقہ پیش

آیا ہے تو اسلام سے آیا ہے اور اسلام سو بار ڈوب کر بھی بڑی شان سے پھر طلوع ہوا ہے اور زمانے کی سائنسی کروٹیں، دنیا کے فلسفیانہ مغالطے، ٹیکنالوجی کی بے محابا طاقت، میڈیا کے بے شمار حملے اور کھلی جارحیتیں، سب کی سب نہ اسلام کی حقانیت اور آفاقیت کو جھٹلا سکی ہیں اور نہ مسلمانوں کے جوہر کو کجلا سکی ہیں، یورپ نے ہر حربہ آزما کر دیکھا، صلیبی جنگوں سے لیکر عہدِ حاضر کی سازشوں تک اسلام اور اہل اسلام نے ہر زخم سینے پر کھایا ہے مگر پیٹھ نہیں دکھائی۔

ترکی خلافت کا سقوط، عرب اور ترک محاذ آرائی، ننگی طاقت اور تلبیس سے عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ شکنجہ غلامی میں کس دینا اور آج ”جنگجو اسلام“ اور ”بنیاد پرستی“ ایسی اصطلاحات کی آڑ میں مسلمانوں کو وحشی، بدو، دہشت گرد اور نہ جانے کیا کیا باور کرانے کی مہم یہ ساری کڑیاں اسلام اور اہل اسلام کو موم تک ناک بنانے کے سلسلہ سے تعلق رکھتی ہیں یورپ نے سوچا کہ جنگ مسلط کر دی جائے تو مسلمان ہار مان جائیں گے۔ اقتصادی بائیکاٹ کیا جائے تو اہل اسلام گھٹنے ٹیک دیں گے۔ ایٹمی ٹیکنالوجی پر پابندی لگادی جائے تو عالم اسلام جھک جائے گا، یورپ نے یہ سارے پاڑے پیلے، مسلمانوں کا ناک میں دم ہوا، لیکن ہر بار اپنے بال و پر جھٹک کر محو پرواز ہو گئے، یورپ نے بڑے گہرے تفکر اور شیطان کے اپنی مجلس شوریٰ سے خطاب کو خوب سمجھ کر اب یہ رستہ نکالا ہے کہ

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا

روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

0

آج مغربی یلغار کے تمام تر کاوشوں کا لب لباب یہی ہے کہ مسلمانوں کے دل سے حب نبیؐ کی تپش چھین لی جائے، تو مسلمان خود بخود راکھ کا ڈھیر بن جائیں گے، اور پھر اس راکھ پر پانی کے چند چھینٹے چھڑک کر اسے زمین کے برابر کر دیا جائے۔ لیکن یہاں یورپ کو پھر ٹھوکر لگی اس نے حکمرانوں کے آئینے میں عام مسلمان کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔ اس نے سمجھا کہ ان میں زندگی کی رمتق نہیں رہی، ان کے اعصاب شل ہو گئے ہیں، ان کے دل بجھ گئے ہیں، ان کے جذبات سو گئے ہیں اور اب صورِ اسرائیل پر بھی بڑی مشکل سے

اٹھیں گے، اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ لاریب مسلمان اپنی تہذیب سے نا آشنا ہو گئے ہیں، اپنا نظام حکومت بھول بیٹھے ہیں، اپنی شکل و صورت بگاڑ بیٹھے ہیں، اپنی اقتصادیات گروی رکھ بیٹھے ہیں مگر ان سب کے باوجود آج بھی اپنے دل کا سودا بازارِ عشقِ مصطفیٰ ﷺ میں کرتے ہیں۔ اگرچہ مسلمان ہزار ہا بار سرِ راہ لوٹے گئے، یورپ انہیں لوٹ کر لے گیا، امریکہ لوٹ رہا ہے لیکن خود جب لٹانے پر آتے ہیں تو اپنا سب کچھ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر لٹا کر خوش ہوتے ہیں بلکہ اس پر بھی مطمئن نہیں ہوتے اور کہتے رہ جاتے ہیں۔

کروں تیرے نام پر جاں فدا، نہ بس ایک جاں، دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروں جہاں نہیں

0

مسلمان تو حضورِ اقدس ﷺ کی اشارے اور کنائے کی گستاخی کو بھی ناقابلِ معافی قرار دیتے ہیں، مسلمانوں کے نزدیک نعلینِ نبیؐ کی نوک تاج شاہی سے زیادہ معظم اور محترم ہے، ان کے ہاں آپ کا نقش کفِ پاجدہ گاہِ عشق ہے، اہل اسلام کہکشاں کو آپ کے قدموں کی دھول سمجھتے ہیں، اربابِ عشق کلی کی چنگ کو تبسمِ رسولؐ کا صدقہ سمجھتے ہیں، صاحبانِ نظر کے عقیدے میں آپ حیات ان کے تلوؤں کا دھوون ہے، خلعت شاہی آپ کے لباس کی اترن ہے، دیارِ حبیب کے کوچے جنت کے باغیچے ہیں بلکہ درد مندانِ عشق ہر اس شخص کو اپنا امام سمجھتے ہیں جو ان کی گلی کا گدا ہو۔

اہلِ اسلام نے ہر معاملے میں غافل واقع ہوئے ہیں لیکن ناموسِ رسولؐ اور حبِ نبیؐ ان کو اپنے مال، اپنے وطن، اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی عزیز رہی ہے اور متاعِ عزیز فراموش کرنے والی چیز نہیں ہوتی، اور یہی وہ متاعِ عزیز ہے جس کے سہارے مسلمان زندہ ہیں ورنہ زندگی کا جواز کیا رہ جاتا ہے؟

ایک عشقِ مصطفیٰؐ ہے اگر ہو سکے نصیب

ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہانِ خراب میں

قارئینِ مکرم! اسی حوالے سے اور ان ہی مقاصد کے پیش نظر شرحِ شمالِ ترمذی کے چھوٹے

اجزاء کی طباعت کے سلسلہ میں آٹھویں جلد ”شمال نبوی کا ایمان افروز مرقع“ کے نام سے مرتب ہو کر منظر عام پر آگئی ہے۔

جس میں حضور اقدس ﷺ کے اسماء مبارکہ، پانچ صفاتی ناموں کی تشریح، اسم محمد و احمد کی توضیح، گذراوقات کے احوال، الفقر فخری کے عملی نمونے، مدنی زندگی کے آخری لمحات، عمر مبارک میں قول راجح کی تعیین، وصال مبارک، تاریخ وصال، موت کی شدت و نرمی، نزع میں استقلال، صحابہؓ غم سے نڈھال، غسل کا مرحلہ، مقام تدفین، یوم تدفین کی روایات میں تطبیق، نماز جنازہ کی نوعیت و تفصیلات، مسئلہ خلافت و امیر کا انتخاب، ترکہ و وراثت، خواب میں زیارت و ملاقات، طالبانِ علوم نبوت کے لئے وصیتیں، اتباع سنت کی تاکید، شمال ترمذی کی سینتالیس (۴۷) احادیث کی تشریح و توضیح کر دی گئی ہے۔

عبدالقیوم حقانی

۲۳ شوال ۱۴۲۶ھ / ۲۵ نومبر ۲۰۰۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ اَسْمَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے بیان میں

لفظ اسماء کا معنی و مصداق :

اسماء ' اسم کی جمع ہے۔ اسم وہ لفظ ہے، جو کسی جوہر یا عرض کی تعیین و تمیز کے لئے وضع کیا گیا ہو اس کا ہمزہ ہمزہ وصل ہے۔ والمراد بالأسماء هنا الأعلام والصفات (اتحافات ص ۲۸۷) (اور یہاں اسماء سے اعلام اور صفات (دونوں) مراد ہیں)

قاضی ابوبکر بن عربی مالکیؒ اپنی شرح ترمذی احوذی میں اور البجوریؒ المواہب میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے بھی ہزار نام ہیں۔ أن لله تعالى ألف اسم وللنبي ألف اسم (مواہب ص ۲۶۸) حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے البهجة السنية في الأسماء النبوية کے عنوان سے ایک کتاب تالیف فرمائی، جس میں نبی کریم ﷺ کے پانچ سو (۵۰۰) اسماء گرامی ذکر کئے ہیں۔ احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر آیا ہے۔ سب اسماء مبارکہ کا احصاء کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ میرے قرآن مجید میں سات نام ہیں۔ محمد، احمد، یسین، طہ، منزل، مدثر، عبد اللہ، ناموں کی کثرت مسمی کی شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ والقاعدة أن كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى۔ (مواہب ص ۲۶۸) مصنف نے اس باب میں حسب معمول بطور نمونہ کے صرف دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں، جن میں آپ ﷺ کے نو (۹) اسماء مبارکہ کا ذکر ہے۔ مصنف کا عام معمول بھی

یہی ہے کہ وہ ہر ترجمہ الباب کے نیچے بطور نمونہ بغرض اختصار چند احادیث کے درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۳۵۲/۱) حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي أَسْمَاءَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَ أَنَا أَحْمَدُ وَ أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللَّهُ بِي الْكُفْرَ وَ أَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشِرُ النَّاسَ عَلَى قَلَمِي وَ أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن عبد الرحمن مخزومی اور بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت محمد بن جبیر بن مطعم سے اُن کے باپ کے واسطے سے نقل کی۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ من جملہ ان کے محمد ہے اور احمد ہے اور ماحی ہے جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے اور ایک نام حاشر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں حشر کے لئے سب سے پہلے آپ ﷺ کو اٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی اور اٹھائی جائے گی تو گویا حضور ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے اور ایک نام میرا عاقب ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ کے پانچ صفاتی نام :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لي اسماء اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے پانچ صفاتی ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسم ”محمد“ کی تشریح :

انا محمد علماء نے لکھا ہے کہ محمد حمد کا مبالغہ ہے جس کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا

یا تو اس وجہ سے کہ حضور اقدس ﷺ کا نام ہے اور آپ کے خصال حمیدہ بہت زیادہ ہیں، یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ (بار بار) کی گئی یا اس وجہ سے کہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے، سابقین انبیاء نے، اولیاء نے، یا تفاؤل کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد کی جائے یا اس وجہ سے کہ اولین و آخرین سب ہی آپ کے ثنا خوان ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، جس کا نام حمد کا جھنڈا ہے۔ (خصائل) قاضی محمد سلیمان منصور پوری تحریر فرماتے ہیں لفظ ”محمد“ حمد سے اسم مفعول ہے یعنی مضاعف سے مبالغہ کے لئے اور احمد بھی حمد سے ہے۔ واقع علی المفعول ہے۔ اس محمد سے حمد کی صفت اور کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے.....

و شق له من اسمه ليجله
فلو العرش محمود و هذا محمد

اللہ نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ دیکھو! رب العرش تو محمود ہے اور آنحضرتؐ محمد ہیں، واضح ہو کہ نبی کریمؐ کو حمد سے خاص مناسبت ہے۔ حضورؐ کا نام محمد و احمد ہے اور حضور ﷺ کے مقام شفاعت کا نام محمود ہے۔ اُمت محمدیہ کا نام حمادون ہے اور آنحضرتؐ کے لواء مبارک کا نام لواء الحمد ہے۔ و الحمد لله على ذلك حمداً كثيراً (رحمة للعالمین) وحید الزمان (مشہور اہل حدیث) لکھتے ہیں کہ ایک عجیب امر یہ ہے کہ حضرت محمدؐ سے پہلے عرب میں کسی کا نام محمد نہیں ہوا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو کسی اور کے پیغمبر موعود ہونے کا اشتباہ نہ ہو۔ (لغات الحدیث) البتہ جب حضور اقدسؐ کی ولادت کا زمانہ قریب تھا۔ تو بہت سے لوگوں نے اس امید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے، جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی نبی بن جائے۔ محمد نام رکھا، لیکن اللہ اعلم حیث يجعل رسالته (الانعام: ۱۲۴) یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس جگہ کو جہاں اپنی رسالت کو تجویز فرماتا ہے۔

اسم ”احمد“ کی تشریح :

وانا احمد اور میرا نام احمد ہے۔ یہ علم فعل تفضیل سے فاعل کے معنی میں

ہے، یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا۔ لہذا آپ ﷺ احمد الحامدین (حمد بیان کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد بیان کرنے والے) ہیں۔

حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی۔ اے اللہ! مجھے اُمت احمد سے کیجئے۔ اللہم اجعلنی من امة احمد (جمع ج ۲ ص ۲۲۷) حضرت عیسیٰ نے بھی احمد کا نام لے کر آپ ﷺ کی بشارت دی تھی۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔ (الصَّف: ۶) (اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جن کا نام احمد ہے)

یہ قرآن مجید کی اپنی ایک شان اور عظمت و حکمت ہے، جہاں آپ ﷺ کا نام بتانا تھا، وہاں احمد بتایا، اور دوسری جگہ ذکر ہوا تو محمد ذکر کیا، جبکہ محمد تو آپ ﷺ کا مشہور نام ہے۔ چاہئے تھا کہ جہاں نام بتایا جا رہا ہے، وہاں محمد بتایا جائے۔ شارحین فرماتے ہیں، اسمہ احمد کہہ کر ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے، کیونکہ کتب سابقہ میں آپ ﷺ کا نام محمد تھا، جبکہ جاہلیت میں لوگوں نے تفاوت کے طور پر اپنے بچوں کے نام محمد رکھے، جس کی وجہ اس سے قبل بتادی گئی ہے، تو اسمہ احمد میں اللہ تعالیٰ نے التباس سے بچایا اور احمد ذکر کیا۔ قرآن مجید کا ایک دوسرا انداز یہ بھی ہے کہ جہاں خطاب و ندا کا موقع آیا ہے، وہاں دیگر انبیاء کرام کو اسماء گرامی سے مخاطب کیا گیا ہے، جبکہ آپ ﷺ کا نام نہیں لیا گیا۔ سوائے چار مقامات کے جہاں نام کا لینا ضروری تھا۔ اس کی وجہ بھی آپ ﷺ کا اعزاز و تکریم ہے کہ آپ کے اوصاف رسول، نبی، منزل، مدثر، طہ، یسین ذکر ہوئے اور احمد نہیں آیا۔

علامہ لیبجوریؒ کعب احبار سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اہل جنت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی عبد الکریم ہے۔ اہل دوزخ کے نزدیک عبد الجبار، اہل عرش کے نزدیک عبد المجید، تمام فرشتوں کے نزدیک عبد الحمید، انبیاء کرام کے نزدیک عبد الوہاب، شیاطین کے لئے عبد القہار، جنات کے نزدیک عبد الرحیم، پہاڑوں میں عبد الخالق، صحراؤں میں عبد القادر، سمندروں میں عبد الہیمن، زندوں کے نزدیک عبد القدوس، حشرات الارض کے نزدیک عبد الغیاث، جنگلی جانوروں میں عبد الرزاق، درندوں میں عبد السلام، چوپایوں میں عبد المؤمن، پرندوں میں عبد الغفار،

تورات میں موزموز، انجیل میں طاب طاب، صحف میں عاقب، زبور میں فاروق، اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک طہ و یسین اور مومنین کے نزدیک محمد ﷺ اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس لئے جنتوں میں آپ ﷺ جنت کو تقسیم فرمائیں گے۔

(مواہب ص ۲۶۸) (ایضاً المناوی ج ۲ ص ۲۲۸)

الماحی کی تشریح :

• وانا الماحی ... اور میں ماحی ہوں۔ میری وساطت سے اللہ تعالیٰ کفر کو نیست و نابود فرماتا ہے اور پھر یہ زمانہ آیا بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر ۱۰۰۰ھ تک اسلام کا جھنڈا بلند رہا اور تمام عالم سرنگوں رہا۔ حضور اقدس ﷺ کفر و شرک کو مٹانے والے ہیں۔ کذابوں اور جھوٹوں کو دلائل و براہین سے شکست دینے والے ہیں۔ نیز اپنی امت کے گناہوں کو معاف کروانے والے ہیں۔

الحاشر :

• وانا الحاشر اور میں حاشر ہوں، یعنی میدانِ محشر میں میرے پیچھے ہو کر چلیں گے یا سب سے پہلے قیامت کے دن قبر سے اٹھوں گا اور لوگ میرے بعد اٹھیں گے۔ میرے قدم پر قدمی تثنیہ ہے یا مفرد ہے یا قدمی بمعنی زبانی کے ہے یا قدمی بمعنی اتباعی کے ہے جو تکون الانبیاء یوم القيامة تحت لوائی (قیامت کے دن سب انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے) کے مطابق ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ میں پہلا شخص ہوں، جس کے لئے قبر سب سے پہلے شق کی جائے گی۔ وقد ورد انه اول من تنشق عنه الارض فيتقدم الناس في المحشر ويحشر النفس على اثره (مواہب ص ۲۶۹) (اور یہ وارد ہوا ہے کہ سب سے پہلے آپ ﷺ قبر سے اٹھیں گے تو میدانِ محشر میں سب سے مقدم ہوں گے اور لوگ آپ ﷺ کے بعد اٹھ کر آپ ﷺ کے پیچھے ہو کر چلیں گے)

العاقب :

• وانا العاقب اور میں عاقب ہوں یعنی عاقب وہ ہے، جس کے بعد کسی

قسم کا کوئی نبی نہیں ہے۔ لہذا آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ دجال، کذاب اور جھوٹا ہے۔ آپ کے بعد منصب نبوت پر اور کوئی فائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے لا ینبؤ بعدی احد ان اسماء سبعہ کی تخصیص کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیش گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء و صفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔

(۳۵۳/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفِ الْكُوفِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عِيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَأَنَا الْمُقَفِّيُّ وَأَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِيُّ الْمَلَا حِمِ .

حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شَمِيلٍ أَخْبَرَنَا حَمَادُ بْنُ سَلْمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زُرِّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هَكَذَا قَالَ حَمَادُ بْنُ سَلْمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زُرِّ عَنْ حُذَيْفَةَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن طریف کوفی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابو بکر بن عیاش نے عاصم کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابو وائل سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ سے نقل کی۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ سے راستہ میں ملا۔ حضور اکرم ﷺ تشریف لے جا رہے تھے۔ تذکرہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے اور احمد ہے اور نبی الرحمة ہے اور نبی التوبہ ہے اور میں مقفی ہوں اور حاشر ہوں اور نبی ملاحم ہوں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحاق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے نضر بن سہیل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حماد بن سلمہ نے دی۔ انہوں نے حضرت حذیفہ سے نقل کی۔ جو کہ پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح کی روایت حماد بن سلمہ نے عاصم سے انہوں نے زر سے اور انہوں نے حضرت حذیفہ سے بھی نقل کی ہے۔

نبی الرحمة :

و انا نبی الرحمة اور میں نبی رحمت ہوں۔ رحمت نرم دلی مہربانی اور دردمندی کے اظہار کو کہتے ہیں، جس کا نتیجہ مغفرت و احسان ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ بحیثیت نبی کے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ آپ کے قدرِ عنا کو رحمة للعلمین کے لباسِ فاخرہ سے مزین کیا گیا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ (اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے) ان اسماء کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشین گوئی کے طور پر لکھے گئے تھے۔ اہل کتاب ان اسماء و صفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ آپ ﷺ سرِ اُپارِ رحمت ہیں۔ مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت میں آپ ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔ کفار کے لئے اس لئے کہ حضور ﷺ کے الطاف و شفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذاب عامہ نازل نہ ہوا، بلکہ قرآن پاک میں یہ وعدہ ہو گیا کہ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہرگز عذاب نہ کریں گے اور نیز جب تک آپ ﷺ کے دین کا بقار ہے گا تب تک تمام عالم کا نظام باقی رہے گا، جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا، نظامِ عالم درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔ نیز آپ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے کسی اُمت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہو جائے۔ نیز آپ ﷺ لوگوں کا آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ ﷺ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز آپ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کا دین سرِ اسرِ رحمت ہے۔ اس لئے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ ﷺ کی اُمت کی صفت قرآن شریف میں رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ وارد ہوئی ہے۔ یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے، اس

لحاظ سے بھی آپ ﷺ رحمت کے نبی ہیں۔ (خصائل)

نبی التوبة :

ونبی التوبة اور میں نبی توبہ ہوں۔ توبہ واستغفار کرنے سے میری امت کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ جب توبہ اپنی شرائط کے ساتھ کی جائے تو گناہوں کی معافی کے لئے کافی ہے۔ بخلاف اُمم سابقہ کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے شرائط سخت تھے مثلاً قتل نفس وغیرہ فَاَقْتُلُوا انْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ طَابَ عَلَيْكُمْ ط انك هُوَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ ۝ (البقرة: ۵۴) (اور مار ڈالو اپنی اپنی جان کو یعنی بعض آدمی (جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی) بعض آدمیوں کو (جنہوں نے گوسالہ پرستی کی) قتل کرو۔ یہ (عمل در آمد) تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک پھر (اس عمل در آمد کرنے سے) حق تعالیٰ تمہارے حال پر (اپنی عنایت سے) متوجہ ہوئے۔ بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں) آپ ﷺ امت کو بھی کثرت سے توبہ کی ترغیب دینے والے ہیں اور خود بھی کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی وجہ سے جتنی مخلوق کی توبہ قبول کی ہے، اتنی کسی دوسرے نبی کی امت کی نہیں کی۔ اس لئے آپ ﷺ کا لقب نبی التوبة بھی ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ و ارکان التوبة على ما قاله العلماء ثلاثة النعم والقلع والعزم على ان لا يعود و لا اجد جعل الاستغفار اللساني شرطاً للتوبة نعم للتوبة باعتبار تعلقها بحقوق العباد و ببعض حقوق الله شروط (جمع ج ۲ ص ۲۷) (علماء کرام کے نزدیک توبہ کے ارکان و اصول تین ہیں۔ (۱) اپنی غلطی پر پشیمان اور شرمندہ ہونا (۲) قلع (گناہ اور غلطی کو بالکل ختم کرنا) (۳) اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ کہ پھر یہ غلطی اور گناہ نہیں کروں گا۔ اور زبانی استغفار کا توبہ کے لئے شرط ہونے کو میں نے (کتب وغیرہ) میں نہیں پایا (یعنی میرے معلومات میں نہیں) ہاں توبہ کے لئے باعتبار حقوق العباد اور بعض حقوق اللہ کے ساتھ متعلق ہونے کی شرطیں ہیں)

المقفی :

و انا المقفی تقفیه سے ہے بمعنی پیچھے لگانے کے قَفُوْ اور قُفُوْ پیچھے رہنے اور آخری ہونے کو کہتے ہیں۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں ، بکسر الفاء المشددة و فتحها والمعنی علی الاول ای سار علی آثار الانبیاء عملاً بقوله تعالیٰ فبهدهم اقتده والمعنی علی الثانی الذی انتہی الیه الامر بعد الانبیاء من قوله تعالیٰ ثم قفینا علی آثارهم برسنا۔ (اتحافات ص ۲۸۷) (لفظ المقفی میں فاء مشددة یا کسرہ کے ساتھ ہے یا فتح کے ساتھ اور پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”سو چل تو ان کے (انبیاء کے) طریقے پر“ کی پیروی کرتے ہوئے انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ انبیاء کرام کے بعد امر نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ تک پہنچا۔ جیسے کہ اس آیت کہ ”پھر پیچھے بھیجے ان کے قدموں اپنے رسول“ میں اس طرف اشارہ ہے)

نبی الملاحم :

و نبی الملاحم الملاحم 'ملحمة سے ہے بمعنی عظیم جنگ کے بڑے حادثے کو ملحمة کہتے ہیں۔ اس کی جمع ملاحم ہے۔ گھمسان کی لڑائی کی جگہ، جہاد کو بھی ملحمة کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضور اکرم ﷺ کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا۔ نیز اس امت میں ہمیشہ رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی پیشن گوئی ہے کہ میری امت میں جہاد قیامت تک رہے گا۔ حتیٰ کہ اخیر حصہ امت دجال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی امت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجود اختلافات اس گئے گزرے دور میں بھی پائی جاتی ہے۔ کسی نبی کی امت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز ملحمة کے معنی فتنہ عظیم کے بھی ہیں

۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور اکرم ﷺ کا نام صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے، جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے۔ ایک دجال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر ہر نبی نے دجال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے۔ ایسے ہی یا جوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں، جن کے آثار شروع ہیں۔ اللہم احفظنا منها بمنک و فضلک وجاہ نیک و حبیبک۔

(خصائل)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گذرِ اوقات کے بیان میں

عیش ' زندگی ' کھانے ' طعام اور گذرِ اوقات کو کہتے ہیں ای باب بیان ماورد
من الأحادیث فی کیفیت معیشتہ صلی اللہ علیہ وسلم حال حیاتیہ (مواہب ص ۲۷۰)
(باب ! حضور کی معاشی کیفیت کے متعلق وارد شدہ احادیث کا بیان)

اس عنوان سے ایک باب پہلے گذر چکا ہے، جس میں مصنف نے دو حدیثیں نقل
کی تھیں۔ اس باب میں حضور اقدس ﷺ، حضرات صحابہ کرام اور حضرات اہل بیت عظام
کے گذرِ اوقات کا بیان ہے کہ وہ کس طرح فقر و فاقہ، جہد مسلسل اور صبر و استقامت کے
ساتھ زندگی گزارتے تھے۔

تکرارِ باب کیوں؟

زہا یہ سوال کہ دوبارہ یہ ترجمہ الباب قائم کر کے اس میں نو (۹) احادیث کا
اندراج کر کے بظاہر تکرار ہے اور یہ کیوں؟ تو علماء نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں
ایک واضح جواب تو یہی ہے کہ اس باب میں وہ امور آگئے ہیں جو گذرے ہوئے باب میں
ذکر نہیں ہوئے تھے۔ لہذا یہ محض تکرار نہ ہوا۔ شیخ الیچوری فرماتے ہیں، واعادہ ہنا بزادات
اخر جتہ عن التکرار (مواہب ص ۲۷۰) (مصنف نے اس باب کا اعادہ ایسی جدید امور کی
زیادتی کی صورت میں کیا جس نے اس کو تکرار ہو جانے کی صورت سے نکال دیا)

• شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی توجیہات :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے وجوہ تکرار میں تفصیل سے لکھا ہے :

یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک جگہ ہی ذکر کی ہیں۔ مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے، لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں، ان میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے، اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذی نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور کرنے سے متفرق مصاحح اس کی سمجھ میں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ امام ترمذی نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتداء سے لے کر اخیر تک رہا۔ اس لئے ابتدائی زمانہ کی طرف اول اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیر اور خنیں وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر و فاقہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حرص و طمع دور فرمائے تو فقر و فاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونے کی بنا دے۔ میں نے عرض کیا یا اللہ! یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تاکہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں تاکہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اس طرح دل لگانے لگو، جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے، جیسا کہ ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے ایک جگہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! محمد (ﷺ) کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما۔ (مشکوٰۃ) (خصائل)

(۳۵۴/۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ الْبُسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَ شَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُمْ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو الاحوص نے سماک بن حرب کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے

نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟) حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں رڈی کھجوریں بھی پیٹ بھر کر نہیں تھیں۔

چند کھجوروں پر قناعت :

يقول الستم مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ دقل ، ردى کھجور اور بادبان کے ڈنڈے کو بھی کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں اراک اطول من الدقل و انت تشر کلامک بشر الدقل میں تم کو دیکھتا ہوں کہ بادبان کے ڈنڈے سے بھی زیادہ لمبے ہو اور گفتگورڈی قسم کی کرتے ہو۔ یعنی تمہارے نبی برحق ﷺ جس کی اتباع اور پیروی کرنا تم پر لازم ہے گھٹیا قسم کی کھجور پر بھی قناعت فرمالتے تھے، مگر وہ بھی اس قدر مقدار میسر ہوتی کہ اس سے شکم سیری بھی نہیں ہوتی تھی، جبکہ تمہارا یہ عالم ہے کہ تم دنیاوی نعمتوں کی فراوانی میں مستغرق ہو گئے ہو۔ یہ حدیث اس سے قبل بھی باب ماجاء فی صفة ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دوسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔ غرض یہی ہے کہ کھانے پینے کو مقصود نہ بنایا جائے والقصد التقریر والتویخ علی الاکثار من ذلک۔ (مواہب ص ۲۷۰)

(یعنی آپ ﷺ کی غرض حد سے زیادہ کھانے پینے پر تو بیخ اور ڈانٹنا مقصود ہے)

بعض اہل اللہ کا ارشاد ہے، جوعوا أنفسکم لوليمة الفردوس (مواہب ص ۲۷۰) جنت الفردوس کے ولیمہ کے تناول میں شرکت کے لئے دنیا میں اپنے آپ کو بھوکا رکھو، پیٹ بھر کر کھانا اور اس طرح کھانا کہ جو کسل کا باعث ہو، تحصیل علم و عمل صالح سے مانع ہو، شرعاً مذموم ہے۔ اتنی مقدار کھانا کہ باعث حیات ہو اور عمل صالح کے لئے معین ہو، شرعاً مطلوب ہے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں کہ والمنموم انما هو الشعب المثقل الموجب للكسل المانع من تحصیل العلم والعمل و أما الأكل المعین علی العبادة فهو مطلوب (مواہب ص ۲۷۰)

علامہ ملا علی قاریؒ اس کا حاصل دوسرے انداز میں اس طرح لکھتے ہیں : قالوا لا

تدخل الحكمة معدة ملئت طعاما و من قل اكله قل شربه فخف نومه فظهرت بركة عمره و روى الطبرانى اهل الشيع فى الدنيا اهل الجوع فى الآخرة و جاء فى حديث اشبعكم فى الدنيا اجوعكم فى الآخرة (جمع ج ۲ ص ۲۳۰) (بزرگان دین فرماتے ہیں کہ حکمت اور دانائی ایسے معدہ میں داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو اور جو تھوڑا کھائے گا وہ پئے گا بھی تھوڑا۔ تو اس کی نیند بھی معمولی ہوگی پھر اس وقت اس کی عمر کی برکت ظاہر ہوگی۔ اور طبرانی نے روایت کی ہے کہ جو دنیا میں سیر (پیٹ بھرے) ہوں گے وہی آخرت میں بھوکے ہوں گے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ تمہارے دنیا میں زیادہ سیر شدہ لوگ آخرت میں زیادہ بھوکے ہوں گے)

أمت چار گروہ میں بٹ گئی :

علماء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر و فاقہ اور غربت و ناداری کی حالت کو پسند فرمایا۔ حالانکہ آپ ﷺ پر خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں۔ اس کے بعد لوگ چار حصوں میں بٹ گئے۔

شیخ ابراہیم البجوری نقل کرتے ہیں۔ قسم لم يرد الدنيا ولم ترده كالصديق، وقسم لم يرد الدنيا وارادته كالفاروق، وقسم ارادها وارادته كخلفاء بنى امية والعباس الاعمر بن عبد العزيز وقسم ارادها ولم ترده لكن افقره الله و امتحنه بجمعها (مواہب ص ۲۷۰) یعنی ایک وہ جماعت جنہوں نے تو خود دنیا کی طرف رخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ صدیق اکبر، دوسری وہ جماعت جنہوں نے دنیا کا رخ نہ کیا، لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسے حضرت فاروق اعظم، تیسرے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا، جیسے بنی امیہ و بنی عباس کے بادشاہ عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ چوتھے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ادھر کا رخ نہ کیا، یہ وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہوگئی۔

(۳۵۵/۲) حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحَقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ كُنَّا لَمْحَمَّدٍ نَمُكُّ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ إِنْ هُوَ إِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہارون بن اسحاق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدة نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور اکرم ﷺ کے اہل و عیال وہ ہیں کہ ایک ایک ماہ تک ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔

الفقر فخری کے عملی نمونے :

عائشہؓ قالت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ ہم یقیناً آل محمد ﷺ ہیں۔ ہم پر پورا پورا مہینہ گذر جاتا تھا کہ ہمارے گھر کے چولہے میں آگ نہیں سلگتی تھی۔ سوائے کھجور اور پانی کے اور غذا نہ ہوتی۔ یعنی گھر میں چولہا نہ جلتا، روٹی اور سالن پکانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ صرف پانی اور کھجور پر گذر اوقات ہوتا۔ حضرت شیخ یوسف بن اسماعیل نبھائی نقل فرماتے ہیں :

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب عروہ سے ارشاد فرمایا اے بھتیجے! خدا کی قسم ہم ایک چاند دیکھتے ہیں، وہ مہینہ ختم ہو جاتا ہے، دوسرا چاند دیکھتے ہیں، وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، تیسرے مہینہ کا چاند دیکھتے ہیں، مگر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں چولہا روشن نہیں ہوتا۔ عروہ نے کہا اے خالہ جان! پھر آپ لوگوں کا گذر کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا کھجور اور پانی پر۔ ہاں ہماری دو انصاری ہمسایہ ہیں جو کہ صاحب وسعت ہیں، وہ کبھی کبھی دودھ وغیرہ بھیج دیتے ہیں۔ تو ہم حضور اقدس ﷺ کو پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کبھی کوئی چیز آنے والے دن کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ آنجناب ﷺ جب رات کا کھانا تناول فرمالتے تو صبح کے لئے کچھ نہ ہوتا اور اسی طرح صبح کا کھانا تناول فرماتے، تو رات کے کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم ﷺ اور حضرت

جبریل علیہ السلام صنعاء پہاڑ پر کھڑے تھے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم اس ذات کی جس نے تمہیں حق دے کر بھیجا۔ آل محمد ﷺ کے گھر میں شام اسی حالت میں آتی ہے کہ ان کے پاس ایک چٹکی آٹا بھی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ کلام اس سے بھی زیادہ صاف سنائی دیا، جیسے آسمان سے کسی دھماکے کی آواز سنی جاتی ہے۔ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں، آل محمد ﷺ کے گھر میں ایک صاع کھانے نے بھی کبھی شام نہیں گذاری۔

علامہ مناویؒ لکھتے ہیں، وفي مسند الحارث بن ابی أسامة عن انس ان فاطمة جاءت بكسرة خبز الى المصطفى صلى الله عليه وسلم فقال ما هذه قالت قرص خبزته فلم تطب نفسي حتى اتيتك بهذه فقال اما انه اول طعام دخل فم ايك منذ ثلاثة ايام (مناوی ج ۲ ص ۲۳۰) (حارث بن ابی سامہ کے مسند میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ روٹی کا ایک ٹکڑا لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ میں نے ایک ٹکیہ روٹی کی پکائی تو میرا دل (کھانے) کو نہ چاہاتا آنکھ یہ (ٹکڑا) آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جانئے کہ یہ پہلا نوالہ کھانے کا ہے جو تین دنوں کے بعد آپ کے والد کے منہ میں جا رہا ہے)

گھر میں تین تین ماہ تک آگ نہ جلتی :

آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی، جس کے لئے آگ جلانا پڑتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی، بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گذر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آ جاتا تھا اور حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہو جاتا تھا، حضور اکرم ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

بعض اوقات گھر میں چراغ کا تیل بھی میسر نہ ہوتا :

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیڑھ مہینہ مسلسل ایسا گذر جاتا کہ حضور اقدس ﷺ کے گھر میں روشنی کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لئے آگ جلنے سے مراد چراغ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہؓ اندھیرے ہی میں اس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا گھر میں چراغ نہیں ہے، یہ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اس کو کھانے ہی میں استعمال نہ کرتے۔ (خصائل)

(۳۵۶/۳) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَنْصُورٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ شَكُونَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجْرَيْنِ قَالَ أَبُو عَيْسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي طَلْحَةَ لَأَنْعَرَفَهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ كَانَ أَحْلَهُمْ يَشْدُ فِي بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجُهْدِ وَالضُّعْفِ الَّذِي بِهِ مِنَ الْجُوعِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن ابی زیاد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سيار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سہل بن اسلم نے یزید بن ابی منصور کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے انس سے اور انہوں نے ابو طلحہ سے روایت کی۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے شدت بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر دو بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ حضور اکرمؐ ﷺ کو شدت بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بدون کھائے گزر چکا تھا۔

شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھنا :

قال شكونا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل مدينة كذا عادت تهي
 كه شدت بھوك كے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے تاكه اس كی سختی
 كی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء كی یہ رائے ہے كه یہ مدینہ میں
 ایک پتھر كے ساتھ خاص ہے، جس كا نام مشبعہ ہے۔ اس پتھر میں اللہ جل شانہ نے یہ
 خاصیت ركھی ہے كه اس كے باندھ لینے سے بھوك میں كسی قدر تسكین ہو جاتی ہے، لیكن
 ظاہر پہلا ہی قول ہے۔ اس لئے كه اب بھی اكثر ایسا كیا جاتا ہے كه شدت بھوك كے وقت
 پیٹ سے كسی كپڑے كا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوك كی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض
 علماء نے كہا ہے كه خالی پیٹ میں نفخ پیدا ہونے كا احتمال ہوتا ہے اور پتھر یا كسی سخت چیز كو
 باندھ لینے سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لكھا ہے كه جب پیٹ بالكل خالی ہو جائے تو
 انٹریوں كے اتر جانے كا اندیشہ ہوتا ہے۔ بالخصوص چلنے پھرنے میں اور پیٹ كو باندھ لینے
 سے یہ خدشہ نہیں رہتا۔ نیز پیٹ كے بالكل خالی ہو جانے سے كمر بھی جھك جاتی ہے۔ كپڑا
 ہونے كا اندیشہ ہوتا ہے۔

ایك اشكال سے جواب :

اس حدیث پر ایک قوی اشكال ہے وہ یہ كه بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا
 ہے كه حضور اکرم ﷺ كئی كئی دن كا مسلسل روزہ ركھا كرتے تھے اور جب صحابہ كرام نے
 حضور اکرم ﷺ كے اتباع میں روزوں كے تسلسل كا ارادہ كیا تو حضور اکرم ﷺ نے منع
 فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا كه یہ میری خصوصیت ہے كه بغیر افطار كے كئی دن كا مسلسل روزہ
 ركھوں۔ اس لئے كه حق تعالیٰ شانہ مجھے كھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ كھلانا پلانا كس طرح ہوتا
 تھا، یہ اپنی جگہ پر ہے لیكن اس سے یہ معلوم ہوا كه ظاہری طور پر كھانا پینا چھوڑنے سے حضور
 اکرم ﷺ پر بھوك كا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے كی
 ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونكه روزے والی روایات كثیرہ ہیں، اس لئے بعض علماء نے

محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دے دیا، لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایات بھی کئی ہیں۔ نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہو سکتا ہو، اس لئے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد پھر مختلف اقوال تطبیق ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

(۱) پتھر والی روایات ابتداء زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں۔ اس لئے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں۔

(۲) کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص اور عام مومنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزہ کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا، جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقت اور بار ہوتا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور رکمال کے درجہ پر تھا۔

(۳) مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور اکرم ﷺ کے بھی ہوتے ہوں، جیسا کہ مشائخ سلوک کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اس قول کے موافق ان روایات کو ابتداء زمانہ پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔

(۴) حضور اکرم ﷺ پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء و مساکین کے ساتھ اشتراک عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں سعادت مند چھوٹوں کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابہ کرامؓ جیسے سعید عشاق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

(۵) حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کھلانا پلانا اعزاز و اکرام ہی تو تھا کوئی وجوہی امر نہ تھا تو کسی وقت جب کہ صحابہ کرامؓ پر تنگی و عسرت کا غلبہ ہو فقر و فاقہ اس حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ سے پتھر باندھنا پڑ جائیں حضور اکرم ﷺ خود اس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچہ اگر

بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے پھر حضور اکرم ﷺ کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا، جہاں ہزروں ماؤں کی شفقتیں قربان۔ (خصائل)

(۳۵۷/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ فَاتَاهُ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْظُرُ فِي وَجْهِهِ وَالتَّسْلِيمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ قَالَ الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ . فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ فَانْطَلِقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّهْيَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَ كَانَ رَجُلًا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالشَّاءِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالُوا لِأَمْرَأَتِهِ أَيْنَ صَاحِبُكَ فَقَالَتْ انْطَلِقْ يَسْتَعِذِبْ لَنَا الْمَاءَ فَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقَرْبَةٍ يَزْعِبُهَا فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُقَدِّيه بِأَيْدِيهِ وَأُمِّهِ ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ فَبَسَطَ لَهُمْ بَسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنُوفِ فَوَضَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَا تَنْقَيْتَ لَنَا مِنْ رُطْبِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطْبِهِ وَبُسْرِهِ فَآكَلُوا وَ شَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْتَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَ رُطْبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلِقْ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيُصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدِيًّا فَاتَاهُمْ بِهَا فَآكَلُوا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَإِذَا آتَانَا سَبِيٌّ فَائْتِنَا فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَاتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرِ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ اخْتَرِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هَذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي

وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا فَانطَلَقَ أَبُو الْهَيْثِمِ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ امْرَأَتُهُ مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا أَنْ تُعْتَقَهُ قَالَ فَهُوَ عَتِيقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يَعْثُ نَبِيًّا وَلَا خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ بَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبَطَانَةٌ لَا تَأْلُوهُ خَبَالًا وَمَنْ يُوقِ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وَقِيَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن اسمعیل نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان ابو معاویہ نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالملک بن عمیر نے ابی سلمہ بن عبدالرحمن کے واسطے سے بیان کیا اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک روز (خلاف عادت شریفہ) سید دو عالم ﷺ ایسے وقت باہر تشریف لائے، جس وقت آپ باہر تشریف نہیں لایا کرتے تھے اور نہ ہی اس وقت کوئی ایک ملاقات کرنے والا آپ ﷺ سے ملنے آتا۔ دریں اثنا ابو بکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ابو بکر ! اس وقت تیرے آنے کا باعث کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس ارادہ و نیت سے گھر سے نکلا ہوں کہ رسول کریم ﷺ کی ملاقات کروں اور چہرہ اقدس کو دیکھوں اور آپ کی خدمت بابرکت میں سلام عرض کروں۔ پس تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے سرور کائنات نے ارشاد فرمایا اے عمر ! تجھے اس وقت کوئی ضرورت لے آئی تو انہوں نے عرض کیا کہ بھوک یا رسول اللہ ﷺ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کچھ تو میں بھی محسوس کرتا ہوں، پھر یہ تینوں حضرات ابی یثیم بن تیہان انصاریؓ کے گھر تشریف لے گئے اور یہ صاحب کافی کھجور، درخت اور بکریاں رکھتا تھا اور اس کا کوئی نوکر نہیں تھا۔ یہ انصاری گھر پر موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی سے پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے، اس نے کہا وہ تو ہمارے لئے بیٹھا پینے کا پانی لانے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ وہ انصاری پانی سے بھری ہوئی مشک لے آیا، جس کو وہ بوجھ کی

طرح اٹھا رہا تھا۔ پس فوراً اس مشک کو رکھ دیا، پھر آئے اور آتے ہی فرطِ محبت سے حضور پاک ﷺ سے لپٹ گئے۔ اور آنجناب پر اپنے ماں باپ قربان کرنے لگے، پھر ان تمام حضرات کو اپنے کھجوروں کے باغ میں لے گئے ان بزرگوں کے لئے بچھونے بچھائے، پھر ایک درخت کی جانب گئے اور کھجور کا خوشہ لے آئے (جس میں کچی پکی آدھ کچری کھجوریں تھیں) اور ان گرامی قدر بزرگوں کے سامنے پیش کر دیں تو نبی کریم نے ارشاد فرمایا تو نے ہمارے لئے پکی کھجوریں چھان کر کیوں نہ توڑیں۔ تو ابوہیثم نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ خود پکی اور کچی کھجوریں پسند فرما کر تناول فرماویں۔ تینوں حضرات نے وہ کھجوریں نوش فرمائیں اور اس پانی سے پانی پیا، پھر سید الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے مجھے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ بھی اس نعیم میں داخل ہے، جس کا سوال قیامت میں ہوگا۔ ٹھنڈا سایہ، تازہ کھجوریں، اور ٹھنڈا پانی۔ ابوہیثم جانے لگے تاکہ مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا، تو ان حضرات کے لئے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ ان صاحبان کے سامنے پکا کر پیش کر دیا۔ ان حضرات نے اسے تناول فرمایا۔ پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تیرا خادم کوئی نہیں ہے؟ ابوہیثم نے عرض کیا کہ نہیں حضور ﷺ نے فرمایا جب بھی غلام آئیں تو مجھے یاد کرنا، پھر حضور ﷺ کی خدمت میں دو غلام پیش کئے گئے۔ ابوہیثم آئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں میں سے ایک کو پسند کر لے۔ ابوہیثم نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! آپ ہی میرے لئے ایک منتخب فرمائیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غلام لے لے، کیونکہ میں نے اسے نماز ادا کرتے دیکھا ہے اور میری ایک وصیت اس کے حق میں قبول کر، وہ یہ کہ اس کے ساتھ نیکی کرتا رہ، ابوہیثم اپنی بیوی کے پاس گئے، اور حضور ﷺ کا ارشاد اُسے بتایا تو اُسے اس کی بیوی نے کہا کہ اس غلام کے بارے میں حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے، تو اس کو پورا نہیں کر سکتا، سوائے اس بات کے تو اسے آزاد کر دے۔

فوراً ابوہشام نے کہا غلام آزاد ہے۔ تو (جب اس کی آزادی کی اطلاع آنجناب ﷺ کو پہنچی) نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے جانشین کے لئے دو باطنی مشیر اور صلاح کار پیدا کرتا ہے، جن میں سے ایک مشیر بھلائی کا امر کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ایک مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا اور جو شخص برے مشیر سے بچا لیا جائے وہ ہر قسم کی برائی سے بچا لیا گیا۔

راوی حدیث (۶۲۸) آدم بن ابی یاس " کے حالات " تذکرہ راویان شامل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں

واقعات متعدد ہو سکتے ہیں :

قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے نہ تو اس وقت نکلنا آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی اور نہ اس وقت کوئی ملاقات کے لئے آتا تھا۔ شیخ ابراہیم البجوری فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ رات کا بھی ہو سکتا ہے اور دن کا بھی۔ مسلم شریف کی روایت میں ذات لیلة (رات) کی تصریح ہے اور شرح ملا علی القاریؒ میں حضرت جابرؒ کی روایت میں ذات یوم (دن) کی تصریح ہے۔ دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ یہ قصہ صرف ایک مرتبہ نہیں دو متعدد واقعات ہو سکتے ہیں۔ ایک واقعہ رات کو پیش آیا ہو اور دوسرا دن کو کہ علامہ بیجوریؒ یہی توجیہ فرما رہے ہیں ولعل ذلك تعدد فمرة کان لیلاً و مرة کان نہاراً۔ (مواہب ص ۲۷۲)

حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور اقدسؐ سے کمال مناسبت حاصل تھی :

فقال خرجت حضور اقدس ﷺ کے سوال پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جمال جہاں آراء کی زیارت و ملاقات اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، و فیہ ایماء بان عادة الصلیق ایضاً کانت علی وفق عادة النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث لم یکن یخرج الا حین ینخرج (جمعن ص ۲۳۶) یعنی حضرت

صدیق اکبرؓ کا معمول بھی حضور اقدس ﷺ کے معمول کے مطابق ہوا کرتا تھا اور یہ تکوینی بات تھی۔ رب ایسا کر دیتے تھے۔ ادھر حضور ﷺ کے دل میں آیا کہ اب باہر نکلنا چاہئے، ادھر صدیق اکبرؓ کے دل میں بھی ڈال دیا گیا، وہ بھی باہر نکل آئے۔ دونوں میں ایک فطری اور طبعی مناسبت تھی۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو اگر خلافِ عادت شریف باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمال تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ خلافتِ صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اگر کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو مناسبتِ تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرامؓ کے لئے حضور اکرم ﷺ کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا۔ بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ حضور اقدسؐ کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور اکرم ﷺ کا طرزِ عمل تھا وہی اکثر حضرت صدیق اکبرؓ کا بھی تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دب کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہؓ اس کا تحمل بھی نہ کر سکے اور حضرت عمرؓ نہایت جوش میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک ہوں حضرت عمرؓ: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضورؐ بیشک۔ حضرت عمرؓ! پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ حضور ﷺ میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمرؓ! کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ جائیں گے۔ اور طواف کریں گے؟ حضور ﷺ! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے۔ حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور ﷺ بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد عمرؓ، اسی جوش میں حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے ابو بکرؓ! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکرؓ!

بے شک۔ حضرت عمرؓ! کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ! بے شک۔ حضرت عمرؓ! پھر دین کے بارے میں ہم (یا ہمیں؟) ذلت کیوں دیے جا رہے ہیں؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ! اے آدمی! یہ بلا تردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں۔ وہی ان کا مددگار ہے تو ان کا رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمرؓ! کیا انہوں نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابو بکرؓ! کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ فرمایا تھا کہ اسی سال جائیں گے، حضرت عمرؓ! نہیں یہ تو نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ! کیا تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ بخاری شریف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے اور بھی اسی قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتیٰ کہ اگر حضور اکرم ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابو بکرؓ شریک ہیں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا قصہ سورۃ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابو بکرؓ کا اس وقت خلاف معمول باہر آنا دل رابدل رہیست حضور اکرم ﷺ کے قلب اطہر کا اثر تھا گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کی وجہ سے تھا، لیکن حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر اس کا خیال بھی جاتا رہا، اسی لئے حضور اکرمؐ کے استفسار پر اس کا ذکر نہیں کیا۔

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدے آقاؐ

بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی، مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے۔ (خصائل)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا عاشقانہ انداز :

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے استفسار پر اپنے حاضر ہونے کے تین مقاصد عرض کئے۔ سبحان اللہ! محبت اطاعت اور عشق رسول ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کتنا پیارا اور عاشقانہ انداز اختیار کر رہے ہیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی غرض ملاقات کرنے

انور کا دیدار اور سلام عرض کرنا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی حاضری :

فلم یلبث ابھی تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ حضرت عمرؓ تشریف لے آئے۔
استفسار پر حاضری کی وجہ عرض کی کہ مجھے اس وقت نہایت ہی شدید بھوک لگی ہوئی ہے۔
ابوالہیثم انصاریؓ :

فانطلقوا الی منزل ابی الہیثم پھر تینوں حضرات ابوالہیثم تیمھان انصاریؓ
کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوالہیثم انصاری حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر صحابی
ہیں۔ اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ تھا۔ صحابہؓ میں یہ صاحب کچھ زیادہ آسودہ حال تھے۔ کھجوروں
کا باغ بھی تھا، بھیڑ بکریاں بھی تھیں۔ تاہم گھر کا کام کاج اور ضروریات کی خود تکمیل فرماتے
تھے۔ واسمہ مالک و قیل ابو ایوب ولا مانع من کون الثانی کنیتہ والأول اسمہ
(مواہب ص ۲۷۳) (ابوالہیثم کا نام مالک تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ابو ایوب ہے۔ لیکن اس میں
کوئی مانع نہیں کہ دوسرا یعنی (ابو ایوب) ان کی کنیت ہو اور پہلا یعنی (مالک) اس کا نام ہو)
محبوب در دولت پر :

خادم وغیرہ نہیں تھا، جب حضور اقدس ﷺ شیخینؓ کے ہمراہ ان کے در دولت پر
حاضر ہوئے تو وہ موجود نہ تھے اور بیٹھا پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر نہ گزری تھی
کہ وہ بیٹھے پانی کا مشکیزہ اٹھائے پہنچ گئے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے مشرف
ہوئے اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے ہوئے زبان حال سے گویا ہوئے
ہم نشیں جب میرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے میرے گھر آپ چلے آئیں گے

اخذ مسائل :

(۱) تینوں حضرات کا حضرت انصاریؓ کے گھر میں بے تکلف جانے سے علماء اور فقہاء
رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بلند مرتبہ والے اشخاص جن کی پرہیزگاری اور تقدس

کی وجہ سے ان کے ساتھی ان کا احترام کرتے ہیں، تکریم کرتے ہیں، اگر اپنے احباب کے گھر بغیر پیشگی اطلاع کے کھانے پینے کے لئے چلے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابوالہیثم کی مالداری اور آسودہ حالی کے باوصف اپنے کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دینے سے معلوم ہوا کہ مالداری اور سرمایہ داری کے باوجود بھی اپنے گھر والوں کی خدمت اور ان کی ضروری حاجات اور تقاضوں کی تکمیل تقدس، بزرگی اور عظمت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس میں تو کمال تواضع اور حسن خلق ہے۔ علامہ بیجوری فرماتے ہیں

يؤخذ منه أن خدمة الإنسان بنفسه لأهله لاتنافى المروءة بل هي من التواضع و كمال الخلق۔ (مواہب ص ۲۷۴)

(۳) تینوں حضرات کا حضرت ابوالہیثم کی اہلیہ سے گفتگو اور اس کے جواب سے معلوم ہوا کہ اجنبیہ خاتون سے مردوں کی گفتگو جائز ہے۔ جب فتنہ کا خوف نہ ہو۔ بلکہ شیخ ابراہیم بیجوری نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ يؤخذ منه حل تكلم الأجنبية و سماع كلامها مع أمن الفتنة وان وقعت فيه مراجعة ثم ان هذه المرأة تلقتهم احسن التلقى و انزلتهم اكبرم الإنزال و فعلت مايلق بذلك الجناب الافخم و الملاذ الأعظم يؤخذ منه جواز إذن المرأة في دخول منزل زوجها اذا علمت رضاه و جواز دخول الضيف منزل الشخص بناذن زوجته مع علم رضاه حيث لاخلاة محرمة۔ (مواہب ص ۲۷۳) (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فتنہ کا خوف نہ ہو تو اجنبی عورت سے کلام کرنا اور اس کی بات کو سننا اور سوال و جواب کرنا جائز ہے۔ پھر اس عورت نے آپ اور آپ کے رفقاء (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے ساتھ حسن تلقی اور عزت و احترام کا ایسا عظیم الشان برتاؤ اور معاملہ کیا جو آپ ﷺ کی عظمت شان کے لائق و مناسب تھا تو اسی سے اس مسئلہ کا جواز بھی معلوم ہوا۔ کہ عورت خاوند کی رضامندی کی صورت میں کسی کو اس کے گھر آنے کی اجازت دے سکتی ہے اور وہ بھی جب اس کو معلوم ہو کہ اس کا خاوند کو اس سے خوشی ہوگی داخل ہو سکتا ہے۔ جبکہ حرام خلوت کی صورت نہ ہو)

(۴) فوضعه پھر ابوالہیثم نے کھجور کا خوشہ ان کے سامنے رکھا تا کہ وہ کھانے سے

پہلے اس سے حسب طبیعت کھجور نوش فرماتے رہیں۔ شارحین حدیث نے اس کی بھی متعدد وجوہ بتائی ہیں۔

(ا) کھانے سے پہلے میٹھی چیز سے تفکھ کرنا معدہ کے لئے بہتر، مقوی، مفید اور نافع ہے کہ اس سے نظام ہضم میں مدد ملتی ہے، علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں لان الابتداء بما يتفكه من الحلاوة أولى فإنه مقو للمعدة لأنه أسرع هضماً (مواہب ص ۲۷۲)

(ب) قرطبیؒ فرماتے ہیں، مہمان کی آمد میں جو چیز گھر میں فوراً دستیاب ہو اور بہولت میسر ہو سب سے پہلے وہی چیز لانی چاہئے اور اسی سے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے و قال القرطبي انما قدم لهم هذا العرجون لأنه الذي تيسر فوراً من غير كلفة (مواہب ص ۲۷۲) (امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالہیثمؒ ان کے پاس کھجور کا خوشہ اس وقت اس لئے لائے کہ وہ ابوالہیثمؒ کو بلا تکلف فوراً میسر تھا)

(ج) میزبان کے لئے بہتر یہ ہے کہ مہمان کا اکرام احسن چیز اور عمدہ چیز سے کرے، جو اسے میسر ہو، يؤخذ من الحديث انه ينبغي للمضيف ان يقدم الى الضيف احسن ما عنده (مواہب ص ۲۷۲) (حدیث شریف سے یہ مسئلہ بھی ماخوذ ہو سکتا ہے کہ میزبان کے لئے مناسب ہے کہ وہ مہمان کے سامنے سب سے پسندیدہ چیز پیش کرے)

تمام نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا :

هذا والذى نفسى بيده چونکہ حضور اقدس ﷺ شفیق امت اور معلم انسانیت ہیں اور ان کا ہر لحظہ اور ہر ادا تعلیم امت کے لئے تھی۔ اس لئے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ بھی ان نعمتوں میں داخل ہے، جن کا سوال قیامت میں ہوگا، پھر موجودہ تینوں چیزیں بھی شمار کر دیں۔ ظل بارد و رطب و ماء بارد یعنی ٹھنڈا سایہ تازہ اور تر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔ سورۃ تکوین میں واضح ارشاد ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کرتے رہے ثُمَّ لَتَسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ (التکوین: ۸) (پھر اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کا سوال ہوگا) و فی روایة مسلم فلما شعبوا ورووا قال صلى الله عليه و

سلم لابی بکرو عمر رضی اللہ عنہما والذی نفسی بیدہ لتسئلن عن هذا النعیم یوم
القیامة اخرجکم من بیوتکم الجوع ثم لم ترجعوا حتی اصابکم هذا النعیم۔ (جمع ج ۲ ص
۲۳۰) (اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جب وہ سب (یعنی حضور ﷺ ابو بکرؓ اور
عمرؓ) خوب کھانے پینے سے سیر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابو بکرؓ اور عمرؓ کو فرمایا کہ قسم ہے
اس ذات کی کہ میری روح اس کے قبضہ و اختیار میں ہے تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں
کے متعلق ضرور پوچھ گچھ (سوال و جواب) ضرور ہوگا۔ تمہیں گھروں سے بھوک نے نکالا پھر
تمہیں گھروں کو لوٹنے سے پہلے یہ نعمتیں حاصل ہو گئیں)

پیٹ بھر کر کھانا کھانا :

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے۔ البتہ احادیث میں جو
زیادہ کھانے کی مذمت آئی ہے، وہ وہی زیادہ ہے جو صحت کے لئے مضر ہو یا پیٹ بھر کر
کھانے کی عادت اور مداومت بنالی جائے، جس سے قلب میں قساوت، بدن میں کسل پیدا
ہوتا ہے اور فقراء و محتاجین اور بھوکوں و مساکین کی کیفیات بھول جاتی ہیں۔ ملا علی قاریؒ پیٹ
بھر کر کھانے کی مذمت انہی الفاظ میں فرماتے ہیں و ماوردی ذمہ محمول علی شعب مضر
أوعلی المداومة لانه یقسی القلب و یکسل البدن وینسی الاخوان المحتاجین۔ (جمع ج ۲
ص ۲۳۰)

صحابیؓ اور ان کے اہل و عیال پر شفقت :

فانطلق..... ابتدائی تواضع و خدمت کے بعد حضرت ابو الہیثمؓ جانے لگے تاکہ
مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام کریں، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو!
ہمارے لئے دودھ والا جانور ذبح نہ کرنا۔ میزبان اپنے عظیم مہمان سے فرطِ محبت اور جذبہ
عشق میں کہیں ایسا جانور ذبح نہ کر دے، جو دودھ دے رہا ہو یا عنقریب بچہ جننے والا ہو کہ کل
کو نقصان ہوگا۔ یہ ایک صحابیؓ پر اور ان کے اہل و عیال پر کمالِ شفقت و محبت کا ادنیٰ نمونہ
ہے۔ لاتذبحن ذات درّای لبن وفی رواية مسلم ایاک و الحلوب ای ولو فی

المستقبل فيشمل الحامل وهذا نهى ارشاد و ملاطفة فلا كراهة في مخالفته فالمقصود الشفقة عليه و على أهله لانهم ينشعون باللبن مع حصول المقصود بغيرها (مواهب ص ۲۷۵) (آپ ﷺ نے فرمایا ضرور بضر و دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کریں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ دودھ دینے والے جانور کے ذبح سے محتاط رہیں یعنی اگر چہ وہ آئندہ دودھ والا ہوگا تو یہ حاملہ جانور کو بھی شامل ہوا۔ چونکہ یہ نبی اور منع کرنا شفقت اور ملاطفت کے لئے ہے اس لئے اس کی مخالفت کرنا مکروہ اور ناجائز نہ ہوگا۔ تو آپ ﷺ کا دراصل اس صحابی پر اور اس کے اہل و عیال کے ساتھ شفقت و مہربانی کرنے کا معاملہ ہے کیونکہ وہ دودھ دینے والے جانور سے نفع اٹھاتے رہیں گے اور آپ ﷺ اور رفقاء کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہو جائے گا)

عناق اور جدی کا معنی :

فذبح لهم عناقاً أو جدياً لفظ أو شكك کے لئے ہے۔ ای شك من الراوی - (مواہب ص ۲۷۵) العناق (بفتح العين) چھوٹا بچہ انثی المعزلها أربعة أشهر و الجدی (بفتح الجیم) المعز ما لم يبلغ سنة (مواہب ص ۲۷۵) (بکری کے چار ماہ والے بچے کو عناق (بفتح العين) کہتے ہیں اور جب تک پورے سال کا نہ ہو تو اس کو جدی (بفتح الجیم) کہتے ہیں)

ضيافت میں وسعت :

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت ابوالہیثم کا مہمانوں کے لئے بکری ذبح کرنا بے جا تکلفات اور مکروہات میں سے نہیں ہے۔ یہ کراہت تب ہے، جب میزبان کے لئے ضیافت کے مصارف اسی کی طاقت سے باہر ہوں اور وہ برداشت نہ کر سکے، مگر یہاں تو حضرت ابوالہیثم آسودہ حال ہیں، خوشحال ہیں۔ فهو مطلوب لقوله صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه لا سيما هؤلاء الاضياف الذي فيهم سيد ولد عبد مناف صلى الله عليه وسلم (مواہب ص ۲۷۵) (تو اس کا

مطلوب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین رکھے تو وہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کیا کرے خصوصاً ایسے اضياف جس میں عبدمناف کی اولاد کے سردار (محمد ﷺ) بھی موجود ہوں)

مخلص خادم کے لئے انعام کا اعلان :

فقال النبي صلى الله عليه وسلم هل لك خادم حضرت ابو الہیثمؓ کے خلوص و محبت و ارغلی اور والہیت کا منظر دیدنی تھا۔ وہ محبوب دو عالم ﷺ کی ضیافت اور خدمت میں دل و جان سے نچھاور ہو رہے تھے۔

ادھر حضور اقدس ﷺ سراپا شفقت تھے۔ اُن کا دل پسچ رہا تھا اور اُن کے دل میں اپنے میزبان کی تکلیف کا احساس ابھر رہا تھا۔ چنانچہ دریافت فرمایا۔ ہل لک خادم کیا تمہارے پاس کوئی خادم ہے؟ جواب نفی میں ملا۔ تو ارشاد فرمایا، فاذا اتانى سبى ليعنى ہمارے پاس جنگی قیدی آتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب کوئی جنگی قیدی آیا تو وہ بحیثیت غلام کے تمہیں بطور انعام کے دے دیا جائے گا۔

جو آقا کی مرضی، وہی غلام کی مرضی :

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ کے پاس دو جنگی قیدی آئے۔ حضرت ابو الہیثم حاضر خدمت ہوئے، تو آپ ﷺ نے حسب وعدہ اُن کو غلام دینا چاہا تو ارشاد فرمایا، اختر منہما یعنی دونوں میں سے ایک پسند کر لے، مگر وہ بھی تو نبی آخر الزمان ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، عرض کیا حضرت نہیں! اختر لی، آپ ﷺ خود ایک میرے لئے پسند کر لیں کہ میری نسبت آپ ﷺ کا انتخاب زیادہ سود مند ہوگا۔ انہوں نے اپنی مرضی کو حضور ﷺ کی مرضی میں فنا کر دیا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا، المستشار مؤتمن جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے، وہ امین ہوتا ہے۔ اسے چاہئے کہ اپنی سوچ، عقل اور صوابدید کے مطابق درست مشورہ دے۔ اگر مستشار دانستہ غلط مشورہ دے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا۔

غلام کا انتخاب اور وجہ انتخاب :

حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی قاعدہ کے پیش نظر دو میں سے ایک غلام کا انتخاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا 'خذ هذا فانی رایتہ یصلیٰ یہ غلام لے لو اور اس کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اسے اللہ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدمت مزدوری کا اور کام کاج میں اس شخص کو ترجیح دینی چاہئے، جو نماز کی پابندی کرے۔

اخذ مسائل :

یہاں سے فقہاء دو مسئلوں کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ انسان کی افضلیت اور نیکی و صالحیت پر اس کے نمازی ہونے سے استدلال کیا جاسکتا ہے و یؤخذ منه انه يستدل علی خیرۃ الانسان بصلاته قال تعالیٰ ان الصلوة تنھی عن الفحشاء والمنکر (مواہب ص ۲۷۵) (یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے) ثانیاً یہ کہ مستشار (مشورہ دینے والے) کے لئے مناسب یہ ہے کہ مستشیر (مشورہ لینے والے) کو اپنے مشورہ کی وجہ بھی بیان کر دے تاکہ اس کے لئے مشورہ پر عمل کرنے میں معاون ثابت ہو۔ و یؤخذ منه ایضاً انه ینبغی للمستشار ان ینسب اشارتہ بأحد الامرین لیکون اعون للمستشیر علی الامثال۔ (مواہب ص ۲۷۶)

غلاموں سے حسن سلوک کی تاکید :

و استوص به معروفاً..... آپ ﷺ نے اپنے حسن انتخاب اور اس کی بیان وجہ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوالہیثمؓ کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ اس نمازی غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ چنانچہ وہ غلام کو لے کر گھر پہنچے اور بیوی کو سارا ماجرا اور آپ ﷺ کی وصیت سنائی تو اس اللہ کی بندی نے فوراً کہا ابوالہیثمؓ! تم حضور اقدس ﷺ کی وصیت پر پورا پورا عمل نہیں کر سکو گے اور اس غلام کے حق میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو جائے گی۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اسے آزاد کر دو۔ قال فہو عتیق (ابوالہیثمؓ نے کہا کہ وہ آزاد ہے) اپنی نیک اور

شمال نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع ۵۱
 پاکباز خاتون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے فوراً اسے آزاد کر دیا۔

ہر انسان کے دو مشیر :

ان اللہ لم یبعث نبیا جب حضور اقدس ﷺ کو یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اس کے خلیفہ کے لئے دو اندرونی مشیر ہوتے ہیں۔ بطانۃ رازدار بھیدی ہو، بھید دلی دوست اور مشیر کو کہتے ہیں، و بطانۃ الرجل صاحب سرہ الذی یستشیرہ فی امورہ تشبیہا لہ بطانۃ الثوب (مواہب ص ۲۷۶) (کسی شخص کا بطانہ وہ رازدار کہلاتا ہے جس سے وہ اندرونی اور ضروری امور میں مشورہ لیتا ہو۔ گویا وہ مشابہ ہوا بطانۃ الثوب (کپڑے کے استر) کے ساتھ) ایک باطنی مشیر اسے نیکی کی ہدایت کرتا، نیکی پر آمادہ کرتا ہے، برائی اور منکرات سے روکتا اور برے اقدامات پر ملامت کرتا ہے، جبکہ دوسرا مشیر لاتالوہ خبالا ای لاتقصر فی فساد حالہ و لاتمنعہ منہ فالألو التقصیر و قد تضمن معنی المنع (مواہب ص ۲۷۶) اس کے تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا، جس شخص کو اچھا مشیر مل گیا، فقد وقی، اسے گویا شتر سے نجات مل گئی۔ ابوالہیثم اگرچہ نہ تو نبی تھے اور نہ نبی کے خلیفہ مگر ان کو علی سبیل تمثیل خلیفہ کہا گیا ہے اور ان کی بیوی کو بمنزلہ بہترین مشیر کا قرار دیا گیا ہے۔

(۳۵۸/۵) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدٍ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ بَيَانَ حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ ابْنَ أَبِي وَقَاصٍ يَقُولُ اِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَاِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُنِي اَغْرُو فِي الْعَصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتَّى تَقْرَحَتْ اَشْدَاقُنَا حَتَّى اِنْ اَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ وَاَصْبَحْتُ بَنُو اَسَدٍ يُعَزَّرُونَنِي فِي الدِّينِ لَقَدْ خَبْتُ اِذَا وَضَلَّ عَمَلِي .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عمر بن اسماعیل بن مجالد بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں مجھے میرے باپ نے بیان کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے

ہیں کہ مجھے اسے قیس بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمتِ محمدیہ میں سب سے پہلا شخص، جس نے کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہؓ کی جماعت ابتداء اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے منہ کے جڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں۔ اس کے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں، اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے، جیسا کہ یہ لوگ بتاتے ہیں تو خسرو الدنیا والآخرۃ (دنیا و آخرت دونوں خسارہ میں ہوئے) دنیا اس عسرت و تنگی میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

پہلا شخص جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا :

انسی لاول رجل حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو ایران کے فاتح اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں کہ جس نے اللہ کے راستے میں کافر کا خون بہایا ہے۔

شیخ ابن حجرؒ ابن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرامؓ انتہائی راز داری سے عبادت کیا کرتے تھے۔ پہاڑوں اور دروں میں جا کر یادِ الہی کرتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاقاً مکہ مکرمہ کے پہاڑوں میں صحابہؓ مشغول عبادت تھے وہم یصلون (مواہب ص ۲۷۶) (نماز پڑھ رہے تھے) کہ مشرکین کا ایک گروہ اچانک نمودار ہوا اور برا بھلا کہہ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے قریب ہی اونٹ کا ایک جڑا پڑا ہوا تھا انہوں نے اٹھا کر مشرکین پر ہلہ بول دیا۔ سات مشرکین کے سر اس جڑے سے پھٹ گئے اور ان کے سروں سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اہراق و فی نسخة ہراق بلاہمز و ہما لغتان یقال اہراق و ہراق ای اراق و صب (مواہب ص ۲۷۶) (اہراق اور ایک نسخہ

میں بغیر ہمزہ ہراق اور یہ دو لغتیں ہیں یعنی اہراق اور ہراق لیکن بمعنی اراق کے ہے یعنی خون بہایا) سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ فرمانا اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلانے والا :

رمی بسہم یعنی سب سے پہلا شخص میں ہی ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں پہلا تیر چلایا ہے۔ اس میں ابوسفیان کی زیر سرکردگی مشرکین کا لشکر آیا جو کہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا اسلام کا سب سے پہلا لشکر عبیدہ بن حارث کی زیر امارت حضور اقدس ﷺ نے بھیجا تا کہ اس کا حملہ روکا جائے۔ چنانچہ رابع کے مقام پر مشرکین سے مسلمانوں کا آمنہ سامنا ہوا۔ اس جہاد میں مسلمانوں کا جھنڈا سفید تھا۔ اسی جہاد میں حضرت سعد بن وقاصؓ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے تیر چلانے والے تھے۔ فکان اول من رمی بسہم وهو اول سہم رمی بہ فی الاسلام (مواہب ص ۲۷۷) (تو سعد بن وقاصؓ پہلے وہ شخص ہوئے جس نے تیر چلایا اور یہ پہلا تیر تھا جو دین اسلام میں چلا گیا) آپؓ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی غربت و فقر کا ایک منظر :

لقد رأيتني میں حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے ایک ایسے گروہ کے ساتھ مل کر جہاد کرتا تھا، جن کا گذر اوقات صرف درخت کے پتے اور بول کے کانٹے ہوتے تھے۔ جن سے ہمارے جڑے پھٹ جاتے اور ہم میں سے ہر ایک بکریوں اور اونٹوں کی طرح پاخانہ کرتا، یعنی ان فضلتم تشبه فضلة الشاة والبعير في اليس لعلم الغذاء المألوف للمعدة (مواہب ص ۲۷۷) (صحابہ کرامؓ کا پاخانہ بوجہ یوست اور خشکی کے بکریوں اور اونٹوں کی مینگنیوں کے مشابہ ہوتا کیونکہ انہیں معدہ کے موافق غذا میسر نہ ہوتی تھی)

سرية الخبط :

ہجرت کے پانچویں یا آٹھویں سال کا واقعہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ تین

سوانصار و مہاجرین کا لشکر تھا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو اللہ کے نبی نے قیادت عطا فرمائی تھی۔ مدینہ منورہ سے پانچ روز کی مسافت پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اسی سر یہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ یہ بہت ہی سخت تھا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقتوں، مصیبتوں، صعوبتوں اور تکالیف کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ جنگلی درختوں کے پتے اور کانٹے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ اس لشکر میں اوائل میں کھانے کے لئے روزانہ تین اونٹ ذبح ہوتے تھے، جب اونٹوں کی قلت کا اندیشہ ہوا تو امیر لشکر نے ان کے مزید ذبح کرنے کی ممانعت کر دی تو روزانہ کچھ مقدار میں کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں، پھر ان میں قلت اور شدید قلت آئی اور حالت یہاں تک پہنچی کہ یومیہ ایک کھجور ملنے لگی کہ صحابہ کرامؓ اسے چوستے رہتے اور پانی پیتے رہے، جب وہ بھی ختم ہو گئیں، تو مانا کل الا ورق الشجر والحبلة۔ تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ حبلة سمر کا پھل جو لوبیا کے مشابہ ہوتا ہے، بعض نے کہا جنگلی کانٹے دار درخت، وہو کل شجر عظیم له شوک كالطلع والعوسج (مواہب ص ۲۷۷) (ہر بڑا کانٹے دار درخت جیسے بول وغیرہ)

خبط کے معنی پتے جھاڑنا، صحابہ کرامؓ کے پتے جھاڑنے اور کھانے کی وجہ سے اس کا نام بھی سرية الخبط مشہور ہو گیا، پھر پتے اور کانٹے کھانا بھی کتنا سخت تھا کہ منہ میں چھالے پڑ گئے۔ حتیٰ کہ تفرحت اشداقنا، تفرحت، القرح سے ہے بمعنی زخمی ہونے اور پھٹنے کے القرح زخم، پھٹن، پھوڑوں اور چھالوں کو کہتے ہیں اشداق کا معنی جبرے ای صارت ذات قروح من ذلك الورق والثمر والأشداق جمع شذوق وهو طرف الفم۔ (مواہب ص ۲۷۷) (یعنی پتوں اور کیکر کی پھلیوں کے کھانے کی وجہ سے ہمارے جبرے اور باچھوں میں چھالے پڑ کر زخمی ہوئے)

قصہ سعدؓ کا پس منظر :

اس حدیث کا ترجمہ الباب حدیث کا یہ آخری حصہ ہے، جس میں صحابہ کرامؓ کی تنگی و عسرت اور غربت، فقر کی کیفیت بتائی گئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اس تفصیلی

ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی بہت سی شکایات کیں۔ حتیٰ کہ یہ بھی شکایت کی یہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا، اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، اُس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہاں گشت کر کے ان سے متعلق شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انہوں نے کوئی مسجد ایسی نہیں چھوڑی، جس میں جا کر نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو۔ سب نے ان کی تعریف کی۔

البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کے لئے نہیں نکلتے، گویا اپنی جان پیاری ہے۔ دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں، اس لئے تین بددعائیں کرتا ہوں۔ ہر ایک کے مناسب۔ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے، محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے تو اس کی عمر بڑھا دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اُس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقر ہو گیا تھا۔ گلی کو چوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا تو کہتا کہ سعدؓ کی بددعا لگ گئی۔ اللہم انا نعوذ بک من غضبک و غضب رسولک و غضب اولیائک (اے اللہ! ہم تیرے غیظ و غضب اور تیرے رسول کے غصہ سے اور تیرے برگزیدہ شخصیات کے غصہ اور بددعاؤں سے تیری پناہ میں آتے ہیں) حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا، جن کو اس سے قبل

تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے۔

حضرت سعدؓ کا استدلال :

و اصبحت بنو اسد ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بنو اسد کی شکایات بے جا ہیں۔ آخر جس نے اسلام میں سب سے پہلے کافر کا خون بہایا ہو، جو سب سے پہلا تیر چلانے والا ہو، جس نے فقر و فاقہ اور غربت و افلاس میں اسلام استقامت اور جہاد و عزیمت پر عمل کیا ہو، پھر وہ دین کے معاملہ میں سستی اور نماز میں کسل کرتا ہو، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لقد خبت اذا وضل عملي۔ پھر تو میں سخت نقصان میں رہا اور میرے سارے عمل اکارت چلے گئے۔

(۳۵۹/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَيْسَى ابْنُ نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عَمِيرٍ وَ شُوَيْسًا ابَا الرُّقَادِ قَالَا بَعَثَ عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ انْطَلِقِ أَنْتِ وَمَنْ مَعَكَ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي أَقْصَى أَرْضِ الْعَرَبِ وَ أَدْنَى بِلَادِ أَرْضِ الْعَجَمِ فَأَقْبَلُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْمَرْبَدِ وَجَلُّوا هَذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوا مَا هَذِهِ قَالَ هَذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوا حَتَّى بَلَغُوا حِيَالَ الْحَسْرِ الصَّغِيرِ فَقَالُوا هَهُنَا أَمْرَتُمْ فَنَزَلُوا فَذَكَرُوا الْحَدِيثَ بِطَوِيلِهِ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَ ابْنِي لَسَابِعِ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ حَتَّى تَقْرَحَتْ أَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِي وَ بَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ أَوْلَيْكَ السَّبْعَةِ أَحَدٍ إِلَّا وَهُوَ أَمِيرٌ مُضَرٌّ مِنَ الْأَمْصَارِ وَ سَتَجَرِبُونَ الْأُمْرَاءَ بَعْدَنَا .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن عیسیٰ ابونعامہ عدوی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد بن عمیر اور شوئیس ابالرقاد کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ خالد بن عمیر اور شوئیس ابالرقاد فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروقؓ نے عتبہ

بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ یہاں تک کہ منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سے سرزمین عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ پس وہ لشکر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ مرید پہنچا۔ انہوں نے وہاں سفید پتھر دیکھے، لوگوں سے پوچھا یہ کیا ہے پھر چل پڑے یہاں تک کہ چھوٹے پل کے قریب پہنچ گئے، تو انہوں نے آپس میں کہا کہ یہ جگہ وہی ہے، جس جگہ ہمیں اترنے کا حکم دیا گیا تھا تو وہاں انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ پھر تمام واقعہ راویوں نے مفصل بیان کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان نے کہا، البتہ تحقیق مجھ پر ایک ایسا دور گذرا ہے کہ میں حضور سرورِ عالم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سے ساتواں فرد تھا۔ ہمارے پاس کچھ بھی کھانے کا نہیں ہوتا تھا، مگر درختوں کے پتے۔ ان کے کھانے سے ہمارے جڑے زخمی ہو گئے تھے۔ نیز مجھے ایک دفعہ ایک چادر ملی جو کہ نصف میں نے اور نصف سعد نے لے لی۔

پس (آج یہ عالم ہے) ہم ان سات صحابہؓ میں سے ہر ایک صحابی کسی نہ کسی شہر کا حاکم ہے اور عنقریب تم ہمارے بعد کے حکام کو آزما کر دیکھو گے۔

راویان حدیث (۶۲۹) خالد بن عمیرؓ اور (۶۳۰) شولیس ابوالرقادؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی پیشگی ناکہ بندی :

بعث عمر بن الخطاب حضرت عمر فاروقؓ نے عتبہ بن غزوان کو مقرر فرما کر حکم دیا کہ تم اور تمہارے ساتھی جاؤ۔ جب منتہائے سرزمین عرب پر پہنچو، جس جگہ سرزمین عجم بہت ہی نزدیک رہ جاتی ہے۔ عتبہ بن غزوان کی قیادت میں جانے والے لشکر کی تعداد تین سو تھی۔ ان کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کو یہ علم ہو گیا تھا، اہل عجم نے عربوں پر یلغار کا فیصلہ کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یزدجرد نے عجمیوں سے امداد طلب کی ہے، جس کا راستہ یہی یعنی بصرہ ہے، جس راستے پر لشکر اسلام بھیجا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کا لشکر بھیجنا، کفار کی پیشگی ناکہ بندی غرض تھی۔ فارادہ عمر ان یوا بطوا بذلک الشجر لیضبطوا تلک الجهة من العدو (مناوی ج ۲۲۲) (اس لشکر بھیجنے سے حضرت عمرؓ کا

یہ مقصد تھا کہ وہ دشمن کی اس سرحد پر اس لئے پڑاؤ ڈالیں تاکہ اس طرف کے دشمن سے مکمل حفاظت ہو سکے)

المربد :

حتیٰ اذا كانوا بالمربد لشکر چلا اور مربد (بصرہ) پہنچا۔ مربد اس مقام کو کہتے ہیں۔ جہاں رات کو اونٹ اور بکریاں رہتی ہیں، جسے تھان اور باڑہ بھی کہا جاسکتا ہے، من ربد بالمکان اذا اقام فیہ (جمع ج ۲ ص ۲۲۲) (مربد ماخوذ ہے ربد بالمکان سے۔ جس وقت اس میں ٹھہرا جائے (چونکہ وہ اونٹوں کے باندھنے کی جگہ ہوتی ہے اس لئے مربد الابل کہلاتی ہے)

نیز مربد اس جگہ کو بھی کہتے ہیں، جہاں تازہ میوہ خشک کیا جاتا ہے۔ کھجوروں کے خشک کرنے کی جگہ بھی مربد کہلاتی ہے۔ مجلس کو بھی مربد کہتے ہیں۔ موضع بالبصرة و اصله موضع حبس الابل او تجفيف الرطب (مناوی ج ۲ ص ۲۲۳) (مربد بصرہ کے ایک موضع کا نام ہے اور دراصل اونٹوں کے باڑ کو یا کھجور خشک کرنے کے میدان کو کہتے ہیں)

بصرہ :

توانہوں نے وہاں پہنچ کر سفید پتھر دیکھے الكذان سنگ ہائے نرم و سفید کو کہتے ہیں۔ حجارة رخوة كانها مائلة الى البياض، توانہوں نے مقامی لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ سفید سفید کلوخ نما چیزیں کیا ہیں تو جواب ملا کہ هذه البصرة یہ سفید رنگ کے پتھر ہیں، ای هذه الحجارة تسمى بالبصرة لأن البصرة اسم للحجارة الرخوة المائلة للبياض (مواہب ص ۲۷۸) اس وقت تک بصرہ نہیں بنا تھا حضرت عتبہؓ نے اس کی بنیاد اور تعمیر و ترقی کا کام کیا۔ شہر بسایا۔ یہ حضرت عمرؓ کی ہدایات پر ان ہی کے دور مسعود میں ہجرت کے سترھویں سال بسایا گیا۔ سكنها الناس سنة ثمان عشرة ولم يعبد بأرضها صنم ولذلك يقال لها قبة الاسلام و خزانة العرب (مواہب ص ۲۷۸) (۸ھ میں لوگوں نے بصرہ میں سکونت شروع کر دی اور اس میں کسی قسم کی کوئی بت پرستی نہیں ہوئی اس لئے اس کو

شامل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع
سلام کا گنبد اور عرب کا محافظ خانہ کہا جاتا ہے)

۵۹

مقام بصرہ میں کاروان کا پڑاؤ :

فساروا کاروان چلتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ حبال الجسرا الصغیر
یعنی نہر دجلہ کے چھوٹے پل تک پہنچ گیا۔ و کان ذلک الجسر علی الدجلة فی عرضها
سیر علیہ المشاة والركبان واحترز بالصغیر عن الجسر الكبير و هو عند بغداد و بينهما
عشرة ايام (موہب ص ۲۷۸) (یہ دجلہ کی چوڑائی پر ایک چھوٹا پل جس پر پیدل اور سوار لوگ
چلا کرتے تھے اور صغیر کی قید لگانے سے بڑے پل سے احتراز کرنا مقصود تھا اور وہ بغداد کے
فریب واقع ہے اور ان دونوں کا درمیانی فاصلہ دس (۱۰) کی منزل ہے)

فقالوا تو یہ امارات و علامات دیکھ کر بعض ذی فہم ساتھی دوسروں سے کہنے
لگے کہ یہی وہی جگہ ہے۔ جہاں پر امیر المؤمنین نے تمہیں پڑاؤ کا حکم دیا ہے۔ لأجل حفظ
بلاد العرب من العجم (موہب ص ۲۷۸) (عرب کے شہروں کو عجمیوں سے بچانے کے
لئے) فنزلوا.. پس انہوں نے یہاں پڑاؤ ڈال دیا۔

مذکروا کی ضمیر کا مرجع :

فذکروا الحدیث بطولہ بعض روایات میں فذکروا آیا ہے۔ ظاہر ہے
کہ ضمیر تشنیہ کا مرجع خالد اور شولیس ہیں اور یہ جو جمع کا صیغہ مذکور ہے، یہ بھی باعتبار ما فوق
لو احد کے، بعض میں واحد کا صیغہ نقل ہوا ہے، تو پھر مرجع محمد بن بشار یا ابو نعامة قرار پاتے
ہیں، وهو الاقرب (جمع ج ۲ ص ۲۴۲) (اور یہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے)

تعمیر بصرہ کی تکوینی منصوبہ بندی :

یعنی اس کے بعد روایت میں رواۃ نے تمام واقعہ مفصل بیان کیا کہ جب کاروان
نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عتبہؓ نے اہل خراسان کو پیغام بھیجا تو ادھر سے ایک بڑا لشکر مقابلہ کے
لئے آیا۔ حضرت عتبہؓ کا انہوں نے استخفاف کیا، غرور و گھمنڈ میں مقابلے پر اتر آئے۔ باہمی
قتال ہوا۔ حضرت عتبہؓ کی اللہ نے مدد فرمائی۔ غالب اور فاتح قرار پائے۔ چونکہ

اقامت کی ضرورت تھی۔ اور اقامت کے لئے مکانات اور ضروریات کی تکمیل ناگزیر تھی۔ تاکہ اقامت میں سہولت ہو اور سرحدات کی حفاظت کی جاسکے، مگر یہاں پر یہ حدیث نامکمل چھوڑ دی گئی، کیونکہ اس باب میں موضع استشہاد صرف اسی قدر ہے، جس کو راوی نے آئندہ جملے میں نقل کر دیا ہے۔ جو حضرت عتبہ کا کلام ہے۔ مما یدل علی ضیق عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ . (مناوی ج ۲ ص ۲۳۶) (جو حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی معاشی اور تنگ دستی پر دلالت کر رہا ہے)

ایک چادر کے بھی دو ٹکڑے کر لئے :

قال عتبة حضرت عتبہ بن غزو ان کہتے ہیں کہ میں ان سات افراد میں ایک ہوں، جنہیں حضور اقدس ﷺ کی رفاقت و خدمت سفر کے مواقع میسر آئے۔ ای لسابع سبعة فی الاسلام لانہ اسلم بعد ستة (جمع ج ۲ ص ۲۳۵) (میں اسلامی دور کا ساتواں مسلمان ہوں کیونکہ اس نے چھ افراد کے بعد اسلام لایا تھا) یہ فقر و مسکنت اور غربت و افلاس کا دور تھا۔ ہمارے کھانے کو کچھ بھی میسر نہ ہوتا تھا۔ ہم درختوں کے پتوں پر گذراوقات کر لیا کرتے تھے۔ تفرحت اشد اقنا... تو ہمارے باچھیں چھل گئیں، منہ پر چھالیں نکل آئے۔ یہی حال کپڑوں کا ہوتا تھا، نئے کپڑے کہاں میسر تھا (یا تھے) عمدہ لباس تو کجا لباس تک بمشکل مہیا ہوتا تھا۔ فالتقطت بردة مجھے کہیں سے گری پڑی پرانی چادر ملی، وہی میرے لئے عظیم غنیمت اور گویا بیش بہا تحفہ تھا۔ صرف میرا نہیں میرے رفقاء کا بھی یہی حال تھا۔ لہذا میں نے اس چادر کے دو ٹکڑے کئے آدھا حصہ اپنے استعمال میں رکھا اور آدھی چادر سعد کی خدمت میں پیش کی کہ انہیں اس کی ضرورت تھی۔

ایک بے مثال دور حکومت :

فما منا حضرت عتبہ نے حضور اقدس ﷺ کے دور اور دور فاروقی کا موازنہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم پر عسرت و فقر اور تنگی کا ایسا دور گزارا ہے۔ اب اسلام غالب ہو گیا، وسائل مل گئے، دولت کی فراوانی ہے، وہ سات فقراء اب امراء بن گئے، ان میں ہر ایک کسی

نہ کسی علاقے کا گورنر ہے۔ چونکہ ہم نے فقیری اور غربت کے ایام دیکھے ہیں۔ اس لئے عوام اور فقراء کا خیال بھی ہے اور ان کی ضروریات کا احساس بھی، مگر ہمارے بعد ایسے حکمران اور امراء آئیں گے، جن کی آنکھیں ناز و نعمت میں کھلی ہوں گی، فقر و فاقہ سے ان کا واسطہ نہیں آیا ہوگا، تو انہیں موجودہ یُسْر، کشادگی، اور فراوانی کی قدر اور اس پر شکر نہ ہوگا۔ جب وہ تمہارے ساتھ بے پروائی بے رخی اور بے مروتی کا سلوک کریں گے، تو ہمیں یاد کرو گے۔ اپنے سامعین کو ادھر بھی توجہ دلانی غرض ہے کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ اکثر دنیا میں مل جاتا ہے۔ اس لئے آج دین کے لئے جو مشقت اٹھاؤ گے، دنیا میں اس کا ثمرہ پاؤ گے۔ دوسری بات یہ بھی کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے، اس کو برداشت کر لو یہ غنیمت ہے، ان حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان کے اس ارشاد میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بعد عدالت، امانت، اور اعراض دنیا میں ان کے مثل حکام پیدا نہ ہوں گے اور یہ بات تجربہ اور تاریخ نے ثابت کر دی۔ کہ ایسا ہی ہوا، وکان الامر کذالک فہو من الکرامات الظاہرة (مواہب ص ۲۷۹) (اور بات وہی ہوئی) (اور ہوتی رہے گی) جو حضرت عقبہؓ نے فرمائی۔ تو گویا یہ اس کی کرامات ظاہرہ میں ایک کرامت ہوئی)

(۳۶۰/۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ أَسْلَمَ أَبُو حَاتِمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلْمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أَخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُؤْذِيْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذِي أَحَدٌ وَلَقَدْ آتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ وَمَالِي وَبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُؤَارِيهِ ابْنُ بِلَالٍ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن عبد الرحمن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح بن اسلم ابو حاتم بصری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اسے حماد بن سلمہ نے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت ثابت سے اور انہوں نے صحابی رسول

حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستہ میں اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں، جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا۔ مجھے تیس (۳۰) شب و روز ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس کو کوئی جاندار کھا سکے، بجز اُس تھوڑی سی مقدار کے جو بلال کی بغل میں چھپی ہوئی تھی۔

راوی حدیث (۶۳۱) روح بن مسلم کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آغازِ اسلام میں کفار کی مزاحمت بہت شدید تھی :

لقد اخفت مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس روایت میں ابتداء کارِ آغازِ اسلام اور مکی زندگی میں عسرت و افلاس اور کفار کی شدید مزاحمت و ایذا رسانی کا تذکرہ ہے۔ جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کار پر جینا دو بھر کر دیا تھا۔ کفار و مشرکین حرم کا احترام کرتے تھے۔ اس میں قاتل تک کا احترام کیا جاتا تھا۔ رجب ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم کفار کے لئے قابل احترام مہینے تھے۔ اس میں وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی نہیں چھیڑتے تھے، مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو نہ تو حرم میں امن حاصل تھا اور نہ ان ایام احترام میں حفاظت حاصل تھی۔ کفار خود اپنے عقائد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔

خوراک کی معمولی مقدار پر دو ہفتے گزارہ کرتے رہے :

شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں :

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا وَ لَقَدْ آتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَ يَوْمٍ مَجْهُدًا بِرَمْسٍ دِنِ رَاتٍ اَيْسَے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو حضرت بلال نے اپنی بغل میں چھپا رکھی تھی۔ تیس دن رات کا مطلب یہ ہے کہ کل پندرہ شب و روز تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ہم سفر

حضرت بلالؓ کے پاس کھانے کی معمولی سی مقدار تھی، جو اُن کو کسی طرح بھی کفایت نہیں کر سکتی تھی، مگر انہوں نے دو ہفتے کا یہ عرصہ نہایت بھوک و پیاس کے ساتھ بسر کیا۔

محدثین اس مقام کے متعلق بحث کرتے ہیں، جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت بلالؓ کو بھوک پیاس کی یہ تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ کسی سفر کے دوران کا واقعہ ہے، جس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حضرت بلالؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ شہر مکہ کے علاوہ تبلیغ دین کے لئے دوسرے شہروں اور میلے منڈیوں میں بھی چلے جاتے تھے، جہاں آپ ﷺ کے ہمراہ ایک آدھ ساتھی بھی ہوتا تھا۔ آپ نے اسی سلسلہ میں طائف کا سفر بھی اختیار کیا، جہاں آپ ﷺ کو بہت ایذا پہنچائی گئی، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا جسم لہولہان ہو گیا، مگر اُس سفر میں آپ کے ساتھ بلالؓ نہیں، بلکہ زیدؓ تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے سفر کا بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہؓ تھے۔

لہذا یہ کسی دوسرے سفر کا واقعہ ہے، جس میں آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے، جنہوں نے خوراک کے لئے تھوڑا سا راشن لے لیا۔ کھجوریں وغیرہ ہوں گی، جو صرف اتنی مقدار میں تھیں کہ کسی تھیلے وغیرہ میں ڈال کر بغل میں رکھ لیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ خوراک کی اس معمولی مقدار پر ہمیں پندرہ دن کا عرصہ گزارنا پڑا، جو کہ نہایت ہی تکلیف دہ عرصہ تھا۔ اس روایت سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزران کا حال معلوم ہوتا ہے۔

(۳۶۱/۸) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنَانَا عَفَانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابَانُ بْنُ يَزِيدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهُ غَدَاءٌ وَلَا عِشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَ لَحْمٍ إِلَّا عَلَى ضَفْفٍ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْأَيْدِي.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمن نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے

ہیں کہ ہمیں عفان بن مسلم نے اس کی خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابان بن یزید عطار نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں قتادة نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دسترخوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں، مگر حالتِ صَفَف میں۔

صَفَف کا معنی :

اسی مضمون کی روایت باب نو (۹) کی حدیث نمبر دو پر بھی گذر چکی ہے۔ صَفَف کا معنی ہاتھوں کی کثرت، ای ایڈی الاضیاف (مواہب ص ۲۸۰) صَفَف کے دوسرے معانی بھی نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً کثرة عیال، ضیق الحال، شدة الفقر، یا لوگوں کا اکٹھا کھانا چاہے میزبان کے طور پر ہو یا مہمان کے طور پر، مگر یہاں کثرتِ ایدی کا معنی راجح ہے۔
هذا هو المراد هنا (مواہب ص ۲۸۰)

صبح اور شام کا کھانے میں معمول :

اولاً تو صبح اور شام کے کھانے میں گوشت اور روٹی یکجا جمع نہیں ہوتے تھے اور اگر کبھی دسترخوان پر دونوں جمع ہو جاتے، تو پھر کھانے والے بہت ہوتے تھے۔ جن لوگوں نے کثرة عیال کا معنی کیا ہے، تو وہ یہی توجیہ کرتے ہیں یا معنی یہ ہے کہ جب مہمان ہوتے تھے، آپ ﷺ اکرام ضیف میں دونوں کو ایک دسترخوان پر جمع کرنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ بات واضح ہے، جب تنہا ہوتے، جو میسر آتا وہی تناول فرماتے، خواہ روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو، البتہ مہمان ہوتے تو دونوں کے اجتماع کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

(۳۶۲/۹) حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي فُلَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذَنْبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدَبٍ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَّاسِ الْهَدَلِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ لَنَا جَلِيسًا وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِيسِ إِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى

إِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ وَدَخَلَ فَاعْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَأُوتِينَا بِصُحُفَةٍ فِيهَا خُبْرٌ وَلَحْمٌ فَلَمَّا
وَضَعْتُ بَكِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ مَا يَكِيكَ قَالَ هَلَكَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَاهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خُبْرِ الشَّعِيرِ فَلَا أَرَانَا أُخْرِنَا لِمَا هُوَ
خَيْرٌ لَنَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمن بن حمید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن اسمعیل بن ابی فدیک نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی
ذئب نے مسلم بن جندب کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے نوفل بن
ایاس ہذلیؒ سے نقل کیا۔ نوفل بن ایاس کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ
مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔ ہمارے ہم نشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہم نشین تھے۔
ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے، واپسی میں ان کے ساتھ ہی ان کے مکان پر
چلے گئے۔ انہوں نے گھر جا کر اول غسل کیا، جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے، تو ایک بڑے
برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں
نے پوچھا کیا بات ہوئی کیوں روئے؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کو وصال تک کبھی بھی
اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی ہی
سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور اکرم ﷺ کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے، ہم لوگوں
کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔

راوی حدیث (۶۳۲) مسلم بن جندبؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں
ملاحظہ فرمائیں

عبدالرحمن بن عوفؒ ! آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ زہری قرشی ہیں، عشرہ مبشرہ میں
سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ تیرہویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف
ہجرت کی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں
گھی اور پنیر کی تجارت کرتے تھے۔ اللہ نے برکت دی۔ صاحب جو دو سخا تھے۔

آپ ﷺ نے دومۃ الجندل کی طرف روانہ کردہ دستے کا ان کو امیر بنایا تھا اور

اپنے مبارک ہاتھوں سے انہیں پگڑی بندھوائی تھی۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر آپ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز فجر بھی پڑھی تھی۔ احد کی جنگ میں پامردی اور استقلال کا ثبوت دیا۔ اس جنگ میں آپ کی ٹانگ بھی شہید ہوئی تھی اور بیس زخم بھی آئے تھے۔ عام الفیل سے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ اور ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔ نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ آپ کی عمر ۷۲ برس تھی۔

مدنی زندگی کے آخری لمحات کا منظر :

فلا ارانا حضرت عبدالرحمن بن عوف اور جمیع صحابہؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ خدا نخواستہ کہیں اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم کو تمہاری خوبیوں کا بدلہ تو دنیا میں دیا جا چکا ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔ (الاحقاف: ۲۰) (تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر دیں) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس لئے رورہے تھے کہ خدا نہ کرے کہ کہیں ہماری موجودہ آسودہ حالی آخرت میں ہمارے اجر و ثواب میں کمی کا باعث بن جائے۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو آپ ﷺ العیاذ باللہ بادشاہوں والی زندگی گزارنے لگے۔ حدیث باب سے ثابت ہوا کہ یہ خالص جھوٹ و الزام ہے۔ مدنی زندگی کے آخری لمحات کا یہ منظر ہے۔ اللہ کریم ہمیں اپنے پیارے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي سِنِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے بیان میں

لفظِ سِنِّ کا معنی اور تشریح :

سِنِّ بالكسر کی جمع اَسنان آتی ہے۔ دانت درانتی، کنگھی کے دندانے، قلم کے تراشنے کی جگہ ریڑھ کی ہڈی کے کنارہ، عمر، فرصت اور مہلت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے، وہ حلیث السن یعنی وہ نوعمر ہے۔ ہو کبیر السن بڑی عمر کا ہے، ہو سنُ فلانِ فلاں کا ہم عمر ہے۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم فرماتے ہیں، اگر لفظِ سِنِّ عمر کے معنی میں استعمال ہو تو مذکور آتا ہے، اگر مدت یا فرصت مراد ہو تو پھر یہ مؤنث آتا ہے۔ اردو زبان میں بھی یہ لفظ مدت یا فرصت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جس کی مثال میر تقی میر کے کلام سے ملتی ہے۔ یہ شاعر شاہ رفیع الدین کے زمانہ میں بڑے پائے کا شاعر ہوا ہے۔ اگرچہ مسلکاً شیعہ تھا، مگر اردو زبان کے اعتبار سے اس کا شعر بہترین کلام مانا جاتا ہے۔

وجودِ نقش و نگار سا ہے کچھ
صورتِ اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ فرصت جسے کہیں ہیں عمر
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

شاعر نے انسانی وجود کی بے ثباتی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے اور اسے نقش و نگار سے

زیادہ حیثیت نہیں دی۔ اسی طرح انسان کی شکل و صورت بھی ایک بے حقیقت اور بالکل عارضی چیز ہے۔ انسان کی عمر کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ایک تھوڑی مدت کے لئے انتظار ہے، جو ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنی طبعی عمر گزار کر اگلے جہاں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ (شرح شامل ترمذی ص ۵۹۹)

عمر مبارک میں قول راجح کی تعیین :

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں تین قسم کی روایات نقل ہوئی ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ آپؐ کی عمر مبارک ساٹھ (۶۰) برس تھی۔ (اس کے متعلق محدثینؒ فرماتے ہیں کہ گننے میں کسر کو چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے ساٹھ کہہ دیا) دوسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک پینسٹھ (۶۵) سال ہے (اس کے متعلق محدثینؒ کا خیال یہ ہے کہ اس میں سن ولادت اور سن پیدائش دونوں کو مستقل شمار کیا گیا ہے) تیسری روایت یہ ہے کہ عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح اور جمہور محدثین و مورخین کے نزدیک راجح ہے۔ وہی اصحہا و اشہرها رواھا البخاری من روایة ابن عباس و معاوية ایضاً و مسلم من روایة عائشة و ابن عباس و معاوية و اتفق العلماء علی ان اصحها ثلاث و ستون (جمع ج ۲ ص ۲۲۹)

اور یہی صحیح و مشہور تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر شریف ہے۔ حضرت امام بخاری نے ابن عباس اور معاویہ سے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور امام مسلم نے بھی عائشہ صدیقہؓ، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت نقل کی ہے۔ اور علماء کرام نے بھی آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ (۶۳) برس ہونے پر اتفاق کیا ہے۔

اس باب میں مصنفؒ نے چھ احادیث نقل کی ہیں۔

(۲۶۳/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكْرِيَّا بْنُ اسْحَقَ حَدَّثَنَا عُمَرُو بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ يَوْمًا وَتُوفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے روح بن عبادہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زکریا بن اسحاق نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عمرو بن دینار نے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اُس کے بعد مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے۔ ان تیرہ برس میں حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اُس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

راویان حدیث (۶۳۳) روح بن عبادہ (۶۳۴) زکریا بن اسحاق اور (۶۳۵) عمرو بن دینار کے حالات ”تذکرہ راویان شماں ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اصح الروایات :

قال مكث النبي صلى الله عليه وسلم یعنی حضور اقدسؐ نبوت مبارک کے دعویٰ کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے، جب وحی نازل ہوئی اور بعثت سے سرفراز ہوئے تو عمر مبارک چالیس سال تھی۔ تیرہ (۱۳) برس مکہ مکرمہ میں دعوت و تبلیغ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور وہاں دس سال تک دعوت و تبلیغ اور جہاد و اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف رہے اور جب انتقال ہوا تو عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ روایۃ المصنف ہنا اصح الروایات (اتحافات ص ۳۹۸) (یہاں مصنفؒ کی یہ روایت سب سے اصح ترین روایت ہے)

(۳۶۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَخُطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے شعبہ کے حوالہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابواسحاقؒ سے،

انہوں نے عامر بن سعد سے اور انہوں نے جریر سے نقل کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔

راویان حدیث (۶۳۶) عامر بن سعد اور (۶۳۷) جریر کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی روایت کی تائید :

عن معاویة انه سمعه امام ترمذی کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید و تصویب اور تقویت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔ باقی رہی حضرت معاویہ کی اس طبعی اتباع کی تمنا، تو ملا علی قاری لکھتے ہیں، انامتوقع ان اموت فی هذه السن فی موافقة لهم قال ميرك لكن لم ينل مطلوبه بل مات وهو قريب من ثمانين۔ (جمع ج ۲ ص ۲۵۰) یعنی میں اُمید کرتا ہوں کہ مجھے بھی تریسٹھ برس کی عمر میں موت آئے تاکہ ان حضرات کی عمر کی موافقت ہو جائے۔ میرک نے فرمایا، امیر معاویہ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور اسی (۸۰) برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

(۳۶۵/۳) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيٍّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن مہدی بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے ابن جریر کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اسے زہری سے اور انہوں نے عروہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

شمال نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع
 راوی حدیث (۶۳۸) حسین بن مہدی کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں
 ملاحظہ فرمائیں

وہو ابن ثلث و ستین سنة اس روایت سے بھی پہلی دونوں روایات کی
 تقویت و تائید ہوتی ہے اور مصنف کی غرض بھی یہی ہے۔ لہذا وہ تمام روایات جن میں
 تریسٹھ کے بجائے ساٹھ یا پینسٹھ کا ذکر ہے، صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہری معنی پر حمل نہیں ہیں،
 بلکہ ان میں تاویل کی گئی ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ اللُّوْرَقِيُّ قَالَا
 (۳۶۶/۴)
 حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَلِيَّةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْحَدَّاءِ حَدَّثَنِي عَمَّارٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ
 سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ تُوْفِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَ
 سِتِّينَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا
 ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اسمعیل ابن علیہ نے خالد حداء کے حوالے سے بیان کیا۔
 وہ کہتے ہیں کہ مجھے عمار بنی ہاشم کے آزاد کرہ غلام نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ
 میں نے عبد اللہ بن عباس کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ
 منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں ہوا۔
 راویان حدیث (۶۳۹) یعقوب بن ابراہیم اور (۶۴۰) اسماعیل بن علیہ کے حالات
 ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دفع تعارض :

اس روایت میں تاویل کی گئی ہے۔ اس میں سن ولادت اور سن وفات کو بھی شمار کیا
 گیا ہے۔ ای بحسبان ستنی الولادة والوفاة (موہب ص ۲۸۳) لہذا پینسٹھ (۶۵) سال کی
 عمر کا اطلاق مجازی ہے۔ لہذا اس کا پہلی والی روایات سے تعارض نہیں ہے۔

(۳۶۷/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ دَعْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَ سِتِّينَ سَنَةً قَالَ أَبُو عَيْسَى وَ دَعْفَلُ لَا نَعْرِفُ لَهُ سِمَاعًا مَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن بشار اور محمد بن ابان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے معاذ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے اسے قتادہ نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے دغفل بن حنظلہ (سدوسی) سے نقل کیا۔ دغفل بن حنظلہ سدوسی سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال پینیسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

راویان حدیث (۶۴۱) الحسن اور (۶۴۲) دغفل بن حنظلہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تاویل روایت :

قال ابو عيسى خود مصنف فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ بڑی عمر کے تھے، مگر آپ ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی یہ روایت کسی دوسرے سے سنی ہوئی ہے۔ شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، رجلا ای محتلما شابا لکنہ لم یثبت انه اجتمع بہ (مناوی ص ۲۵۱) (دغفل بالغ اور نوجوان تھے لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی ہے)

(۳۶۸/۶) حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ وَلَا بِالْأَدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطِطِ وَلَا بِالْسَّبِطِ بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ وَ تَوَفَّاهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَ

لَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَ لِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نَحْوَهُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں اسحق بن موسیٰ انصاری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معن نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک بن انس نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے روایت کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے قد تھے، نہ پستہ قد، نہ بالکل سفید تھے، نہ بالکل گندمی رنگ۔ آپ ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگر یا لہ پن لئے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو نبوت ملی۔ اس کے بعد دس سال حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ ساٹھ سال کی عمر میں حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اُس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔

حضرت انسؓ کی روایت میں تاویل :

یہ حدیث اور اس کی مکمل شرح اور حل لغات باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کر دی گئی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف دہائیاں ذکر کر دی جاتی ہیں۔ اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بھانجے عروہ بن الزبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کی پینسٹھ برس والی روایت کو غلط بتلایا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور اوائل میں ان کا ارشاد بھی نقل کر دیا گیا ہے۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَفَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں

آپ ﷺ کے شامل وخصائل سے متعلق ابواب سیرت اور احادیث گذشتہ باب ماجاء فی سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں۔ یہاں سے مصنف آخری تینوں ابواب میں سیرت سرور کائنات ﷺ کے متعلقات کا بیان فرماتے ہیں۔ پہلا باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ دوسرا باب آپ کی وراثت اور تیسرا باب آپ ﷺ کی خواب میں رویت اور زیارت و ملاقات سے متعلق ہے۔ اس باب میں مصنف نے چودہ (۱۴) احادیث کا اندراج فرمایا ہے۔

لفظ وفاة کا معنی :

لفظ وفات موت کے معنی میں آتا ہے۔ وفی (بالتخفيف) بمعنی تم ای تم اجلہ (جمع ج ۲ ص ۲۵۲) یعنی وقت پورا ہو گیا۔ عرب کہتے ہیں، وفی فلاناً یعنی فلاں کو اس کا حق دے دیا گیا۔ مراد یہ ہے کہ اللہ پاک نے حضور اقدس ﷺ کو زندگی کا حق دے دیا ہے۔ جیسے علامہ مناویؒ بھی یہی لکھتے ہیں او من وفی فلاناً ای اعطاه حقه لان اللہ تعالیٰ اعطاه حقه من الحياة۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۵۲)

(۳۶۹/۱) حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَخْرَجْتُ نَظْرَتَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ السِّتَارَةَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَنَظَرْتُ

إِلَى وَجْهِهِ كَأَنَّهُ وَرَقَةٌ مُّصْحَفٍ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ . فَأَشَارَ إِلَى النَّاسِ أَنْ اثْبُتُوا وَابْوَبِكُمْ يَوْمَهُمْ وَالْقَى السِّجْفَ وَتُوْفِي مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابوعمار حسین بن حریث اور قتیبة بن سعید اور بہت سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عمیئة نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو مجھے دیکھنا نصیب ہوا، تو وہ اُس وقت تھا، جبکہ پیر کے دن آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا۔ پس جب میں نے حضور اقدس ﷺ کے روئے مبارک پر نظر ڈالی تو گویا وہ قرآن مجید کا ایک ورق نظر آیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔ صحابہؓ مضطرب ہونے لگے، تو حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر رہو اور ابو بکر تمہارا امام ہو اور پردہ گرا دیا اور اسی دن پچھلے پہر وصال پا گئے۔

ورق مصحف کے ساتھ رُخ انور کی تشبیہ :

قال آخر نظرة نظرة كالمعنى ايك نگاه اور الستارة پردہ کو کہتے ہیں۔ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آخری دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو مجھے دیکھنا اس وقت نصیب ہوا تھا، جب پیر کے روز آپ ﷺ نے پردہ ہٹا کر نمازیوں کو دیکھا یعنی پیر کا روز تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے وقت سیدہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک کے دروازہ سے پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نمازیوں پر نظرِ شفقت فرمائی اور دیکھا اس روز حضرت ابو بکر صدیقؓ امامت فرما رہے تھے۔ و كان الرسول قد أمر ان يوم ابوبكر المسلمين في الصلاة (اتحافات ص ۳۹۱) (اور حضور ﷺ اس سے پہلے حکم دے چکے تھے کہ ابو بکرؓ مسلمانوں کی نماز میں امامت کیا کریں)

میں نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھا، کانہ ورقہ مصحف گویا کہ وہ قرآن پاک کا ایک مقدس ورق ہے، یعنی آپ ﷺ سرِ اچسن و جمال کا رُخ انور صفائی سفیدی روشنی حسن جمال نورانیت اور ہدایت میں قرآن پاک کی طرح تھے۔ حاصل تشبیہ یہ ہے کہ حضور

اقدس ﷺ کے جلوہ جہاں آراء سے بھی اسی طرح ہدایت ملتی ہے جو کہ جامع محاسن ہے، جس طرح قرآن پاک سے ہدایت ملتی ہے۔ شیخ عبدالرؤف فرماتے ہیں، ووجه التشبیه حسن الوجه و صفاء البشرة و سطوع الجمال لما افيض عليه من مشاهدة جمال الذات (مناوی ج ۲ ص ۲۵۵) یعنی تشبیہ سے غرض یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو جو فیضان رویت باری تعالیٰ سے حاصل ہوا، وہ آپ ﷺ کے رُخ انور چہرہ اقدس کی پاکیزگی اور انتہائے جمال کی صورت میں جلوہ افگن تھا۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں، و هو تشبیه فیہ بلاغۃ و جمال ففی المصحف إشراق حسی و إشراق معنوی (اتحاف ص ۳۹۱) (وہ) یعنی رخ انور کو مصحف سے تشبیہ دینا) ایک ایسی تشبیہ جس میں بلاغت اور جمال ہے پس مصحف میں حسی اور ظاہری روشنی بھی اور معنوی روشنی بھی موجود ہے)

غرضِ نظارہ :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں : یہ وہی دو شنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے، جس پر حضور اقدس ﷺ نے یہ اندازہ فرمایا کہ نظام شرعی قائم ہو گیا اور قدیمی رفیق ابو بکر نیابت کا حق ادا کر دے گا اور اُمت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کا عدم اور لاشیٰ ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ، لیکن اُس کو استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا۔ حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمرؓ جیسا اسلامی ستون کہ دوست دشمن سب ہی اُن کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاک مانتے ہیں۔ وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابو بکرؓ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

تاریخ وصال میں اختلاف :

و توفی من آخر ذلک الیوم، مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضور اقدس

شمال نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع ----- ۷۷

کا وصال دوشنبہ کو ہوا، لیکن اس روز کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ (۱) اکثر مورخین یہی کہتے ہیں کہ یہ ربیع الاول کی بارہویں (۱۲) تاریخ تھی۔ (۲) دوسرا قول بعض محدثین کا ہے، جو حساب کے لحاظ سے دو (۲) ربیع الاول کو ترجیح دیتے ہیں۔

مسجد تشریف آوری تین مرتبہ ہوئی :

حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کے مرضِ وفات کے آخری دن کا واقعہ ذکر کیا ہے، ورنہ آپؐ کا مسجد کو تشریف لانا تین مرتبہ ہوا ہے۔

(۱) حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ”مصلے سے ہٹ گئے اور آپؐ نے خود امامت فرمائی۔

(۲) آپ ﷺ تشریف لائے اور صف کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

(۳) آپ ﷺ مسجد میں تشریف نہ لائے، بلکہ لوگوں کے اختلال کو دیکھ کر اثبتوا ارشاد فرمایا یہ ہیبت و عظمت اور سرور و حال کا عالم طاری ہونے کی وجہ سے تھا۔ قریب تھا کہ صفوں میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے۔ اس پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حافظ کا شعر نقل کیا ہے، جو بہت ہی موزون ہے.....

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آید

حالتِ رفت کہ محراب بہ فریاد آید

وقتِ وفات کی مختلف روایات کی تطبیق :

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کا وقت دن کا آخری حصہ تھا۔ حالانکہ دیگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات صبحِ چاشت کے وقت ہوئی، جو دن کا اول حصہ ہے۔ شیخ احمد عبد الجواد دونوں روایات میں تطبیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وجمع العلماء بین الميعادين فان الوفاة كانت ضحوة، ولكن حصل هرج و اضطراب عند الصحابة، حتى قال عمر: من قال ان محمداً قد مات، قتلته بسيفي هذا، ثم جاء الصديق رضي الله عنه، فهدأ الموقف و قال: من كان يعبد محمداً فان محمداً قد مات

، ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت وتلا : وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل ، افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ، ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا ، وسيجزي الله الشاكرين ثم تبين للناس انه توفي آخر النهار (اتحافات ص ۳۹۲) حضور ﷺ کے وقت وفات میں جو روایات کا اختلاف وارد ہوا ہے اس کے متعلق علماء کرام نے دونوں وقتوں کے درمیان تطبیق بایں صورت کی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات مبارک تو بوقت چاشت ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ انتہائی پریشان اور خوف و ہراس کے عالم میں تھے اور لوگوں میں کئی قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں ۔ تا آنکہ حضرت عمرؓ (جیسے بہادر) بھی کہہ رہے تھے کہ جس نے یہ کہا کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں تو میں اسے اس تلوار سے قتل کر دوں گا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور پرسکون و اطمینان سے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو کوئی بھی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا۔ تو (وہ جان لے کہ) محمد ﷺ تو وفات پا چکے ہیں اور جو کوئی کہ اللہ کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ ہیں اور اس پر موت نہیں ہوگی۔ پھر یہ آیت وما محمد الا رسول الایة پڑھی۔ کہ محمد ﷺ تو ایک رسول ہے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں (اسی طرح آپ ﷺ بھی ایک روز گزر ہی جائیں گے) سوا گر آپ ﷺ کا انتقال ہو جائے یا آپ ﷺ شہید ہو جاویں تو کیا تم لوگ (جہاد یا اسلام سے) الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص (جہاد یا اسلام سے) الٹا پھر جاویگا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا (بلکہ اپنا ہی کچھ کھودے گا) اور خدا تعالیٰ جلد ہی (نیک) عوض دے گا حق شناس لوگوں کو (جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یا در رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں) پھر لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا پتہ آخری دن میں ہوا)

(۳۷۰/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَحْضَرَ عَنِ ابْنِ عَمْرٍو عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى صُلْرِيْ اَوْ قَالَتْ اِلَى حِجْرِيْ فَدَعَابِطُسْتِ لِيُوَلَّ فِيهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن مسعدہ بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سلیم بن اخضر نے ابن عون کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابراہیم سے اسود کے حوالہ سے نقل کی اور انہوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ ﷺ نے پیشاب کے لئے طشت مانگا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد پھر وصال ہو گیا۔

راویان حدیث (۶۲۳) حمید بن مسعدہؓ (۶۲۴) سلیم بن اخضرؓ (۶۲۵) عبد اللہ بن اعونؓ اور (۶۲۶) ابراہیمؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مفاخر سیدہ عائشہؓ :

كنت مسندة یہ تو حضرت عائشہؓ کا اعزاز اور مفاخر میں ہے کہ ان کو آپؐ کا آخر تک وصال اور خدمت کے مواقع ملتے رہے، جب آپ ﷺ کو اپنے رب کا وصال حاصل ہوا تو سر مبارک سیدہ عائشہؓ کی گود میں تھا۔ بخاری شریف کی ایک طویل روایت میں حضرت عائشہؓ نے مفاخر کا اس انداز میں تذکرہ فرماتی ہیں ان من نعم الله علي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توفي في بيتي وفي يومي وبين سحري ونحري وان الله جمع بين ريقى وريقه عند موته (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) (بے شک مجھ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ آپؐ میری باری کے دن میرے کمرے میں میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کے لعاب مبارک اور میرے لعاب کو یکجا اور اکٹھا کر دیا)

الطست : الطسّ سے ہے ہاتھ دھونے کے لئے تانبے کا برتن، لگن، چلمچی کلمہ اعجمیہ، اناء کان مطلوباً للتبول كما هو المذكور في الحديث (اتحافات ص ۲۹۳)

(یہ عجیبی کلمہ ہے یہ ایک برتن تھا جس میں پیشاب کرنا مقصود تھا جیسے کہ حدیث میں مذکور ہے)

فمات و فی روایة البخاری عنها توفی فی بیتی بین سحری و نحری ای
 کان رأسه الشریف بین سحرها و هو الرئة و نحرها و هو موضع القلادة و فی روایة و
 بین حاقنتی و ذاقنتی و الحاقنة المعدة و الذاقنة ماتحت الذقن (اتحافات ص ۳۹۲) (اور
 بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ میرے کمرے میں
 میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے یعنی آپ ﷺ کا سر مبارک حضرت
 عائشہؓ کے پھیپھڑے اور گردن کے درمیان تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میرے
 معدے اور (ٹھوڑی کے نیچے کی جگہ) گردن کے درمیان فوت ہوئے)

دو روایتوں کا تعارض اور اس کا جواب :

حاکمؒ اور ابن سعدؒ کی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا سر مبارک
 بوقت وفات حضرت علیؓ کی گود میں تھا۔ جیسے کہ علامہ مناویؒ لکھتے ہیں۔ روی الحاکم و
 ابن سعد ان رأسه فی حجر علیؓ (حاکم اور ابن سعد نے روایت کی کہ آپ ﷺ کا
 سر مبارک وفات کے وقت حضرت علیؓ کی گود میں تھا) پھر ان کے جواب کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ و لعلهما تناوباہ حال النزاع علی ان طرق الثانی لا تخلو عن
 شنیٰ کما قال الحافظ ابن حجر (مناوی ج ۲ ص ۲۵۷) (اور شاید کہ دونوں (حضرت عائشہؓ
 اور حضرت علیؓ) نے نزاع (جان کنی) کی حالت میں باری باری اپنی گود میں لیا ہوا اس کے
 علاوہ حافظ ابن حجرؒ نے دوسری روایت (حضرت علیؓ کے متعلق) کے اسناد میں لا تخلو عن
 شنیٰ (کہ ان میں کچھ ہے) کہہ کر ضعف کو اشارہ کر دیا)

استنباط مسائل :

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ خاوند اپنی بیوی پر ٹیک لگا سکتا ہے اور بیوی
 کی موجودگی میں کسی برتن میں پیشاب بھی کر سکتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناویؒ نے بھی لکھا ہے
 کہ و فیہ حل الاستناد للزوجة و البول فی الطست بحضرتہا۔ (مناوی ج ۲ ص ۵۷)

(۳۷۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ سَرْجَسٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يَدْخُلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَيَّ مِنْكَ الْمَوْتِ أَوْ قَالَ عَلَيَّ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے لیث نے ابن ہاد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن سرجس سے قاسم بن محمد کے حوالہ سے بیان کی اور انہوں نے اسے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھا ہوا تھا۔ اس میں حضور اکرم ﷺ بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ بارگاہِ الہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ ! موت کے شدائد پر میری امداد فرما۔

راویان حدیث (۶۴۷) ابن الہاد اور (۶۴۸) موسیٰ بن سرجس کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نزع میں استقلال اور توجہ الی اللہ کا اہتمام :

قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے۔ یہ تمام تر واقعہ تعلیمِ امت کے لئے ہے کہ موت کی تلخیوں اور سختیوں میں درد و تکالیف کا رونا نہ رویا جائے۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ دوسری جانب حضور اقدس کے ثبات و استقلال کا اظہار بھی ہے کہ نزع کی شدت میں بھی غایت توجہ الی اللہ رہی۔ اس وقت بھی یسر و سہولت کیلئے بارگاہِ الہی میں دعا و استدعا کا اہتمام رہا۔

علامہ البجوریؒ کی تشریح :

علامہ البجوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ منکرات الموت سے مراد نزع کی سختی ہے،

کیونکہ نزع کے وقت ایسی تکالیف وارد ہوتی ہیں یا سکرَات الموت لیا جائے تو مراد شدائد کے بحر میں ڈوبنا ہے، مگر ان سب تکالیف و آلام کا ظہور فقط ظاہری امر ہے، جو اس وقت صاحبِ نزع کا حسبِ حال نظر آتا ہے۔ لاجلِ زیادة رفع الدرجات والترقی فی اعلیٰ المقامات و الکرامات (مواہب ص ۲۸۶) لیکن حقیقت میں یہ سب کچھ ان کے درجات کی ترقی اور عند اللہ مقام کی رفعت اور انعام و اکرام کی زیادتی پر دال ہے۔

لیکن حضور اقدس ﷺ کا معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔ ظاہر تو سکرَات الموت ہے، لیکن باطن میں معاملہ ذاتِ باری تعالیٰ اور ملائکہ المقربین کے ساتھ تھا۔ فان جبریل اتاه فی مرضه الشریف ثلاثة ايام یقول له کل یوم ان اللہ ارسلنی الیک اکراما و اعظاما و تفضیلاً یسنلک مما هو اعلم به منک کیف تجدک و جاءہ فی یوم الثالث بملک الموت فاستاذنہ فی قبض روحہ الشریفۃ فاذن له ففعل (مواہب ص ۲۸۶) یعنی جس ذاتِ گرامی صفات کی مزاج پرسی کے لئے جبریل پورے تین دن آپ ﷺ کے پاس رہیں اور اس مرض الموت کے دوران ہر روز کہتے رہیں کہ حضور! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کریں، حالانکہ وہ آپ ﷺ کے حال کو آپ سے زیادہ جانتا ہے۔ محبوب! تو اپنے آپ کو کس حال میں پاتا ہے اور بتائیے! تیرا منشا کیا ہے؟ اور پھر جبریل نے یہ بھی کہا کہ یہ مزاج پرسی اسی شرافت اور عظمت اور فضیلت کے اظہار کے لئے ہے، جو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہے۔ اس عیادت کے تیسرے روز ہی جبکہ جبریل کی زبان سے کیف تجدک (آپ ﷺ کا منشا مبارک کیا ہے) کا جملہ نکلا تو ملک الموت در اقدس پر حاضر ہو کر روح مکرم و مقدس کو قبض کرنے کی اجازت مانگنے لگا، پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور ملک الموت نے اپنا کام مکمل کر لیا۔

قبضِ روحِ ﷺ میں اعزازِ خداوندی :

علامہ بیہقی نے دلائل النبوة میں ایک طویل روایت اس سلسلہ میں نقل کی ہے، جس میں جبریل علیہ السلام کا مسلسل تین دن تک خدا تعالیٰ کی طرف سے عیادت کے لئے حاضر

ہونے کے بعد لکھتے ہیں، وجاء معه ملك يقال له اسماعيل على مائة الف ملك كل ملك على مائة الف یعنی جبرئیل کے ساتھ ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا جو کہ ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا اور پھر ان میں سے ہر فرشتہ لاکھ فرشتوں پر حاکم تھا۔ انہوں نے آ کر حضور ﷺ سے داخلہ کی اجازت چاہی، آپ نے جبرئیل سے اس کے متعلق پوچھا۔ جبرئیل نے فرمایا، هذا ملك الموت يستأذن عليك ما استأذن على آدمي قبلك و لا يستأذن على آدمي بعدك۔ (یہ موت کا فرشتہ (عزرائیل علیہ السلام) ہے۔ آپ سے (روح قبضہ کرنے) کی اجازت چاہتا ہے۔ نہ آپ ﷺ سے پہلے کسی انسان سے (جان کنی) کی اجازت چاہی اور نہ کسی انسان سے آپ ﷺ کے بعد (جان کنی) کی اجازت چاہے گا) حضور ﷺ نے داخلہ کی اجازت دی، ملك الموت سلام کرتے ہوئے گویا ہوئے، ان الله ارسلني اليك فان امرتني ان اقبض روح قبضت و ان امرتني ان اترك تركته فقال و تفعل کہ حضور میں آپ کی روح قبضہ کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ اگر اجازت ہو فبہا ورنہ پھر (بغیر روح قبضہ کئے) آپ ﷺ کو چھوڑے جاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ اپنا کام مکمل کیجئے گا۔ ملك الموت نے فرمایا، نعم بذلك امرت و امرت ان اطيعك کہ ہاں بتخیرک امرت مجھے تو آپ ہی کی اطاعت کا حکم کیا گیا تھا۔ اس وقت حضور ﷺ نے جبرئیل کی طرف دیکھا، فقال جبرئيل ان الله قد اشتاق الي لقاءك (حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی ملاقات کے مشتاق ہیں) آپ ﷺ نے روح قبض کرنے کی اجازت فرمائی اور ملك الموت نے اپنا کام مکمل فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۹)

(۳۷۲/۴) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَارِيُّ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَا أَعْطُ أَحَدًا بِهَوْنٍ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عَيْسَى سَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ فَقُلْتُ لَهُ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْعَلَاءِ هَذَا قَالَ هُوَ عَبْدُ

الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مبشر بن اسماعیل نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبد الرحمن بن علاء سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث عبد اللہ بن عمرؓ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدت تکلیف کے بعد اب مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔

راویان حدیث (۶۴۹) مبشر بن اسماعیلؓ اور (۶۵۰) العلاء بن الجلاجؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

قالت لا اغبط مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک کے آنے کی وجہ ظاہر ہے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیام اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔ الغبطة حسن حال خوشی اور رشک کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں یہی آخری معنی مراد ہے۔ وہی ان یتمنی ان یکون له مثل ما للغير من غير ان تزول عنه (مواہب ص ۲۸۶) غبطہ یہ ہے کہ دوسرے کے مال و جاہ کی آرزو کی جائے، مگر اس کے زوال کی خواہش نہ کرے۔ اگر دوسرے سے زوال چاہے تو یہ حسد ہے اور شرعاً مذموم ہے۔

موت کی شدت اور نرمی :

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ شدت موت علامت خیر ہے۔ موت کی سختی عمدہ چیز ہے۔ جب ہی تو آپ ﷺ پر سختی ہوئی۔ یہ حضرت عائشہؓ کی رائے تھی۔ حالانکہ آپ ﷺ پر کوئی ایسی زیادہ سختی نہیں ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی اضطراب نہیں فرمایا، صرف پیشانی پر پانی ملتے رہے اور وفات تک نماز کی وصیت کرتے رہے اور آخری کلمہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا..... اللهم الحقني بالرفيق الاعلى“

(لغات الحدیث ج ۲ ص ۸ کتاب غ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ ہون موت اور خفت موت علامت ایمان ہے۔ تو رفع تعارض کے لئے کہا جائے گا کہ نزع روح سے پہلے پہل جو تکالیف ہیں، وہ مکلفات ہیں۔ البتہ نزع روح کے وقت جب کہ عالم آخرت منکشف ہوتا ہے اور انسان کے کسی عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس میں خفت ہونا علامت ایمان ہے، تو نزع روح میں خفت اور اس سے پہلے شدت یہ دونوں علامت ایمان ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ پر بھی یہی کیفیت طاری ہوئی، مگر یہ ضابطہ نہیں ہے، اگر قبل از موت کسی پر شدت طاری نہ ہو اور آسانی سے روح نکل جائے تو ایمان کے مخالف نہیں۔

حاصل بحث :

شیخ احمد عبدالجواد فرماتے ہیں ، ان الشدة قد تكون تكفيرا لبعض السيئات وقد تكون لرفعة الدرجات (امتحانات ص ۳۹۳) (موت سے پہلے شدت اور تکلیف کا ہونا کبھی تو سیئات کا کفارہ اور کبھی بلندی درجات کے لئے ہوتا ہے) والحاصل ان الشدة ليست امارة على سوء ولا ضده والسهولة ليست علامة على خير ولا ضده (مواہب ص ۲۸۶) (خلاصہ یہ کہ موت کے وقت سختی اور تکلیف کا ہونا نہ برے اور نہ نیک ہونے کی علامت ہے اور جان کنی کے وقت آسانی ہونا نیک اور برے ہونے کی علامت اور دلیل ہے)

(۳۷۳/۵) حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ هُوَ ابْنُ الْمَلِيكِيِّ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ قَالَ مَا قَبِضَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ أَدْفِنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو کریم محمد بن علاء نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو معاویہ (محمد بن حازم) نے عبدالرحمن بن ابی بکر (جو کہ ابن ملیکی ہیں)

کے حوالہ سے بیان کیا انہوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کے دفن میں صحابہ کا اختلاف ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سنی ہے، جو مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے، جہاں اُن کا دفن پسندیدہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

راوی حدیث (۶۵۱) عبدالرحمن بن ابی بکر کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مقام تدفین میں اتفاق :

اختلفوا فی دفنہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے مدفن میں اختلاف پیدا ہوا اور صحابہ کرام کی آراء مختلف ہو گئیں۔ کسی کی رائے تھی مسجد نبوی میں، بعض نے کہا جنت البقیع میں، بعض نے کہا آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے ساتھ، بعض نے مکہ مکرمہ کی رائے دی۔

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ آگے بڑھے اور آپ ﷺ سے سنی ہوئی تعلیم کے مطابق موضع وصال پر دفن کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ادفنوه فی موضع فراشہ۔ چنانچہ حدیث کے مطابق صحابہ کرام آپ کے موضع تدفین پر متفق ہو گئے اور آپ ﷺ کی چار پائی والے مقام پر آپ ﷺ کی قبر تیار کی گئی، جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں تھی۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷)

شان صدیق اکبرؓ :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

چونکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے سب امور سرانجام پانے مقرر ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے

شماں نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع -----
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور پر نقل کرتا ہوں۔

(۱) کسی نبی کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوتی، جب تک امت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔ (۲) زکوٰۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔ (۳) میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ (۴) انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ (۵) حق تعالیٰ شانہ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اس کا متولی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔

(۶) جو شخص خلیفہ اور بادشاہ بنے اور وہ لا پرواہی سے کسی کو نائب بنائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے، لا پرواہی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔ (۷) حد زنا کی حدیث۔

(۸) جہاد میں مشورہ کی حدیث۔ (۹) دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے۔ (۱۰) خلافت کا

قریش میں ہونا۔ (۱۱) انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت۔

(۱۲) چوری کی سزا۔ (۱۳) منصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔ (۱۴) جو یہ

چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے تو مؤمنین پر سختی نہ کرے، ان پر

رحم کا برتاؤ کرے۔ (۱۵) جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، عذابِ عامہ میں مبتلا ہوتی ہے۔

(تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور اکرم ﷺ کے

وصال اور وصال کے بعد انتظامات سے ہے۔ (خصائل)

(۳۷۴/۶) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ عَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ وَ سَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ وَ غَيْرُ

وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ

عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ قَبْلَ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار، عباس عنبری، سوار بن عبد اللہ اور بہت

سے دوسرے لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ اُن سب نے کہا کہ ہمیں یحییٰ بن سعید نے

سفیان ثوری کے حوالہ سے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اُن کو موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبید اللہ بن عبد اللہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپؐ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

راویان حدیث (۶۵۲) عباس العنبریؓ (۶۵۳) سوار بن عبد اللہؓ اور (۶۵۴) موسیٰ بن ابی عائشہ الحمدانیؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تقبیلِ میت سنت ہے :

قبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحت اللفظ ترجمہ میں مضمون حدیث واضح ہے۔ قبل ، تقبیل سے ہے، بمعنی چومنے اور بوسہ لینے کے۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ آئندہ تفصیل آ رہی ہے۔

(۱) یہ بوسہ تبرک و تیمن کے لئے تھا، ای تیمناً و تبرکاً (مناوی ج ۲ ص ۲۶۱) (۲) نیز اس بوسہ میں حضور اقدس ﷺ کی اقتداء اور پیروی غرض تھی۔ و اقتداء بتقبیلہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان بن مظعون (مناوی ج ۲ ص ۲۶۱) (ابو بکرؓ کا آپ ﷺ کے ماتھے مبارک کو چومنا یہ دراصل آپ ﷺ کی اقتداء مقصود تھی کہ حضور ﷺ نے بھی عثمان بن مظعون کا بوسہ لیا تھا) (۳) شیخ ابراہیم لیجوریؒ فرماتے ہیں، فتقبیل المیت سنة (مواہب ص ۲۸۶) یعنی میت کا بوسہ لینا سنت ہے۔ (۴) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ یہ الوداعی بوسہ تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

(۳۷۵/۷) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابْنُوسَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى سَاعِدَيْهِ وَقَالَ وَانْبِيَاءَهُ وَأَصْفِيَاءَهُ وَأَخْلِيَاءَهُ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے مرحوم بن عبدالعزیز عطار نے ابو عمران جونی کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت یزید بن یزید بن باہنوس سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور آپ ﷺ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا، ہائے نبی ہائے صفی اور ہائے خلیل۔

راویان حدیث (۶۵۵) مرحوم بن عبدالعزیز العطارؒ اور (۶۵۶) یزید بن باہنوسؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی والہیت :

ان ابابکرؓ دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وصال کے بعد حجرہ عائشہ میں بارگاہِ قدس میں تشریف فرما ہوئے۔ دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور حضور ﷺ کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے، یعنی کمال محبت میں آپؓ پر جھکے، اس میں میت کو چھونے اور ہاتھ لگانے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

وانبیاء، وا کالفظ عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج اور دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں : وفی روایۃ احمد انہ اتاہ من قبل راسہ فحدر فاه فقبل جہتہ ثم قال و انبیاء ثم رفع راسہ و حدر فاه و قبل جہتہ ثم قال و اصفیاء ثم رفع راسہ و حدر فاه و قبل جہتہ و قال و اخلیلاہ (جمع ج ۲ ص ۲۶۲)

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے سرِ اقدس کی طرف سے تشریف لائے اور چہرہ انور پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو چوما، پھر فرمایا ہائے نبی، پھر سر اٹھایا اور روئے مبارک پر پھر سر جھکایا اور پیشانی مبارک پر بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے برگزیدہ، پھر سر اٹھایا اور پھر روئے اطہر پر سر جھکایا اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، پھر فرمایا ہائے دوست نیز ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب میں ابن ابی شیبہؒ سے نقل کیا ہے : فوضع فمہ علی جبینہ

فجعل يقبله و ييكي و يقول بابي انت و امي طبت حيا و ميتا (جمع ج ۲ ص ۲۶۲) منہ رکھا اور بوسہ لینا شروع کر دیا اور روتے بھی جاتے تھے اور فرماتے بھی جاتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان آپ ﷺ کی زندگی بھی پاک اور وصال بھی پاک ۔

اوصافِ میت کا بیان جائز ہے :

حضرات فقہاء و محدثین بیان کرتے ہیں کہ :

کہ کسی برگزیدہ عالم محقق یا شیخ طریقت کے وصال پر اس کے اچھے اوصاف بیان کرنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ یہ خلفاء راشدین کا طریقہ تھا کہ وہ برگزیدہ حضرات کی وفات کے بعد اوصافِ حسنہ بیان کرتے تھے ۔

علامہ البیجوریؒ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں :

و هذا يدل على جواز عد اوصاف الميت بلا نوح بل ينبغي ان يندب لانه من سنة الخلفاء الراشدين والائمة المهتدين و قد صار ذلك عادة في رثاء العلماء بحضور المحافل العظيمة والمجالس الفخيمة (مواہب ص ۲۸۷) یہ دلیل ہے میت کے اوصاف بیان کرنے کے جواز پر بشرطیکہ اس بیان میں کسی قسم کا نوحہ نہ پایا جائے، بلکہ یہ مندوب ہے۔ اس لئے کہ یہ سنتِ خلفاء راشدین اور ائمہ مہتدین ہے اور یہ علماء کرام کی عادت ہو چلی ہے، بڑی بڑی محفلوں اور مجالس میں اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

(۳۷۶/۸) حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هَلَالٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمَ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَقَضْنَا أَيْدِينَا عَنِ التُّرَابِ وَأَنَا لَفِي دَفْنِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں بشر بن ہلال صواف بصری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس

ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن بن گئی تھی اور جس دن حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی۔ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ بھی جھاڑنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا۔

نورِ نبوت کی ضیا پاشیاں :

قال لما كان اليوم جس روز حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو مدینہ منورہ کا ذرہ ذرہ آپ ﷺ کے علوم و معارف اور برکات کے نور سے منور ہو گیا۔ گویا آپ ﷺ کے جمالِ باکمال کے پر تو سے مدینہ منورہ کے در و دیوار چمک اٹھے اور نورِ نبوت تمام مدینہ کو محیط ہو گیا۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

وفي قوله كل شئ مبالغة لطيفة كان كل شئ في العالم اقتبس النور واحذ من المدينة في ذلك اليوم والاصح ان المراد به ان كل جزء من اجزاء المدينة اضاء ذلك اليوم حقيقة ولا تجريد و كيف لا يضي له ذلك وقد كانت ذاته كلها نورا و سماه الله نورا فقال سبحانه قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين فكان نورا اضاء للعالمين و سراجا منيرا (مناوی ج ۲ ص ۲۶۲) یعنی حدیث شریف میں جو کل شئی آیا ہے، یعنی ہر ایک شے اس میں ایک لطیف مبالغہ ہے۔ کہ کائنات کی ہر چیز اسی نور سے مستفید ہو رہی ہے اور اس دن مدینہ منورہ بھی اس نور سے تابناک ہو رہا تھا اور صحیح بات تو یہی ہے کہ مدینہ منورہ کا ہر ایک گوشہ حقیقتاً اس دن روشن تھا اور کیوں روشن نہ ہوتا، جبکہ حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ اقدس سراپا نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اسم مبارک نور رکھا۔ سوارشاد فرمایا سبحانہ و تعالیٰ نے کہ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب، اور حضور ﷺ کا نور تمام جہانوں کو روشن کرتا ہے اور ان کا پیکر جمیل روشن چراغ ہے۔

علامہ لہجوریؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں :

ای استار من الملیة الشریفة کل شنی نور احسیا و معنویا لانه صلی اللہ علیہ وسلم نور الانوار والسراج الوہاج نور الہدایة العامة و رافع الظلمة الطامة (مواہب ص ۲۸۷) یعنی مدینہ منورہ کی ہر شے حیاتی و معنوی طور پر نور سے منور ہوگئی۔ اس لئے کہ حضور انور ﷺ کی ذات اقدس نور الانوار، نہایت ہی روشن چراغ، ہدایت عامہ کے نور اور کمال تاریکی کو دور کرنے والی ہے۔

اور جب وصال ہوا :

اظلم منها کل شنی جس روز حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو مدینہ منورہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ گویا ہر شی پر غم کا عالم طاری تھا۔ ہر شخص پریشان اور مضطرب تھا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں : یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال و عقائد میں تغیر ہو گیا تھا، بلکہ فیض صحبت اور مشاہدہ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے، وہ حاصل نہ رہے تھے۔ چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں حاضری اور غیبت میں انوار کا بین فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان انوار کے حاصل کرنے کے لئے اب مجاہدات، ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جمال جہاں آرا کی زیارت ہی سیکڑوں جلووں سے زیادہ تھی اور ایمان و احسان کی اس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی، جو سیکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی محبت کے مقابلہ میں تن من جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی پوری زندگی اس کی شاہد عدل ہے (خصائل) و ما نقضنا اور ہم نے قبر مبارک کی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے اور تدفین میں مصروف تھے، مگر ہمارے دل یہ ماننے کے لئے آمادہ نہ تھے کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لئے گئے ہیں۔

یعنی ہم آپ ﷺ کے وصال کی بات پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے دلوں کو برا کہا کہ اے ہمارے قلوب ! تم کس طرح قبر مبارک پر مٹی ڈالنے پر راضی ہوئے۔ محشی

مشکوٰۃ لمعات سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں، حتی انکرنا لم یرد علم التصدیق الایمانی بل هو کتایة عن عدم وجدان النورانية والصفاء الذی کان حاصلًا من مشاهدته صلی اللہ علیہ وسلم لتفاوت حال الظهور والغیبة۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۷) (یعنی حتی انکرنا قلوبنا) ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا تھا) سے تصدیقِ ایمانی کا نہ ہونا ہرگز مراد نہیں بلکہ یہ ایک قسم کنا یہ ہے کہ ہمیں وہ نورانیت اور دلوں کی صفائی جو آپ ﷺ کے مشاہدہ کے وقت محسوس ہوا کرتی وہ نہیں پار ہے کیونکہ آپ ﷺ کے موجود اور حاضر ہونے کی کیفیت اور ناموجود ہونے کے حال و کیفیت میں بڑا فرق ہے)

سیدہ فاطمۃ الزہراءؑ کا مرثیہ :

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :

شرح السنۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم دفن کر کے محترمہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراءؑ جگر گوشہ رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا :

یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا التراب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم (جمع ج ۲ ص ۲۶۳) (اے انس! کیا تمہارا دل اس کام سے خوش ہوا کہ تم حضور رسول کریم ﷺ کے مرقد پر مٹی نچھاور کرے)

اور فرماتی ہیں : واخذت من تراب القبر الشریف فوضعتہ علی عینہا وانشدت :

ماذا علی من شم تربة احمد ان لایشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الايام صرن لیالیا

یعنی سیدۃ النساء خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے قبر شریف سے تھوڑی سی مٹی لے کر اپنی آنکھوں سے لگائی اور یہ دو شعر پڑھے۔ (۱) سیدنا احمد (ﷺ) کی تربت مبارک کی خاک شریف جو شخص سونگھے گا، اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک زمانہ ہے ایسی خوشبو کبھی نہ سونگھے گا۔

(۲) اے حضور ﷺ! جناب کے تشریف لے جانے کے بعد مجھ پر کچھ ایسی مصیبتیں

نازل ہوئیں کہ اگر وہ روزِ روشن پر نازل ہوتیں تو وہ بھی شبِ بلا بن جاتا۔

(۳۷۷/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوْفِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حاتم نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عامر بن صالح نے ہشام بن عروہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔

راویان حدیث (۶۵۷) محمد بن حاتم اور (۶۵۸) عامر بن صالح کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

پیر کا روز یوم وصال ہے :

قالت توفی حضور اقدس کا یوم وصال تمام علماء اور محدثین کے نزدیک پیر کا

دن ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ متفق علیہ بین ارباب النقل (مناوی ج ۲ ص ۲۶۳)

(۳۷۸/۱۰) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ فَمَكَتْ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَ لَيْلَةَ الثَّلَاثَاءِ وَ دُفِنَ مِنَ اللَّيْلِ وَ قَالَ سُفْيَانُ وَ قَالَ غَيْرُهُ يُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ابی عمر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی امام باقر سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال دوشنبہ کے روز ہوا۔ یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گذرا اور منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اکرم ﷺ کو قبر شریف میں اتارا۔ سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام

باقر کی حدیث میں تو یہی ہے کہ جو گذرا، لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصہ شب میں پھاؤڑوں کی آواز آتی تھی۔

تدفین میں تاخیر کیوں؟

قال قبض المساحی جمع ہے، مفرد اس کی مسحاة ہے۔ پھاؤڑے کو کہتے ہیں پیر کے روز وصال ہوا، پیر اور منگل کے دن لوگ زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ غسل اور تدفین کا انتظام کرتے رہے، منگل اور بدھ کی درمیانی شب مدفون ہوئے اور وہ بھی شب کے آخری حصہ میں، جمہور کا یہی قول ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

گویا اخیر حصہ شب میں قبر کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ خلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی۔ حالانکہ دفن کی تعجیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے، ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی، بلکہ تعجیل ہی تھی کہ اول تو اس حادثہ ہانکہ کی وجہ سے ہوش و حواس ہی ابوبکرؓ کے علاوہ کسی کے رہ گئے تھے، کوئی مدہوش تھا، کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی، کوئی صدمہ کی شدت سے حضور اکرم ﷺ کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ جیسا بہادر استقلال و شجاعت کا مجسمہ بے قابو تھا۔ اس کے بعد مراحل انتظامیہ درپیش تھے۔ وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لئے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے ہر جز میں اس کی ضرورت تھی کہ ہر جز میں اختلاف ہو رہا تھا۔ نیز نبیؐ ہونے کی وجہ سے ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہو گیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدینہ ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی تجہیز و تکفین اور صلوة الجنائزہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز و تکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی، مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ کس طرح غسل دیا جائے کہ کس طرح نماز پڑھی جائے۔ ہر مسئلہ میں احادیث معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ کپڑوں ہی میں حضور اکرم ﷺ کو غسل دیا گیا اور بغیر

جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی۔ جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ نماز کے لئے جتنا وقت چاہئے تھا، وہ بھی ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آ جانے سے یہ مہم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نا اہل امیر بن گیا تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا۔ اس لئے اس وقت دین کا تحفظ صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شام تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعتِ عامہ ہو جانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔ (خصائل)

(۳۷۹/۱۱) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيكَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي نَمْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ تُوْفِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَ دُفِنَ يَوْمَ الثَّلَاثَاءِ قَالَ أَبُو عَيْسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو عبد العزیز بن محمد نے شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت ابی سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے نقل کی۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے۔

یوم تدفین کی روایات میں تطبیق :

اس سے ما قبل کی حدیث میں منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین کا ذکر ہے، جبکہ یہاں منگل کے دن کا بیان ہے۔ محدثین دونوں احادیث میں تطبیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں (۱) کہ تجہیز و تکفین کا عمل منگل کے روز سے شروع ہوا ہوگا اور بدھ کی شب آخر وقت میں تدفین سے فراغت ہوئی ہوگی۔ (۲) منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں تدفین ہوئی، جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس حدیث میں عرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ (۳) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مسئلہ خلافت سے فراغت کے بعد منگل کے دن تجہیز

وتکفین کی ابتداء ہوئی اور بدھ کی شب میں فراغت ہوئی۔ یہ اور پہلی توجیہ ایک ہی ہے صرف الفاظ اور تعبیر کا فرق ہے۔

(۳۸۰/۱۲) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَيْطٍ أَخْبَرَنَا عَنْ نَعِيمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ نُبَيْطِ بْنِ شَرِيْطٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ فَافَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالُوا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوا بِبِلَالٍ فَلْيُؤَدِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ أَوْ قَالَ بِالنَّاسِ ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَافَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوا بِبِلَالٍ فَلْيُؤَدِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنَّ أَبِي رَجُلٌ أَسِيفٌ إِذَا قَامَ ذَلِكَ الْمَقَامَ بَكَى فَلَا يَسْتَطِيعُ فَلَوْ أَمَرْتُ غَيْرَهُ قَالَ ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَافَاقَ فَقَالَ مُرُوا بِبِلَالٍ فَلْيُؤَدِّنْ وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَإِنْ كُنَّ صَوَاحِبٌ أَوْ صَوَاحِبَاتٌ يُوسُفُ قَالَ فَأَمَرَ بِلَالَ فَادَّنَ وَأَمَرَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انظُرُوا إِلَى مَنْ أَتَى عَلَيْهِ فَجَاءَتْ بَرِيرَةُ وَرَجُلٌ آخَرُ فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَأَاهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيُنْكَصَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يُثَبِّتَ مَكَانَهُ حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَاتَهُ ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ عُمَرُ وَاللَّهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرْبَتُهُ بِسَيْفِي هَذَا قَالَ وَكَانَ النَّاسُ أُمِّيْنَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ فَامْسَكَ النَّاسُ قَالُوا يَا سَالِمُ انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهُ فَاتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَيْتُهُ أَبْكَى دَهْشًا فَلَمَّا رَأَى قَالَ لِي أَقْبِضْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ إِنَّ عُمَرَ يَقُولُ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرْبَتُهُ بِسَيْفِي هَذَا فَقَالَ لِي انْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَجَاءَهُ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفِرْجُوا لِي فَافِرْجُوا لَهُ فَجَاءَهُ حَتَّى أَكَبَّ عَلَيْهِ وَمَسَّهُ فَقَالَ إِنَّكَ

مَيِّتٌ وَ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ثُمَّ قَالُوا يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبِضْ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوا أَنَّ قَدْ صَدَقَ قَالُوا يَا صَاحِبَ
رَسُولِ اللَّهِ أَنْصَلِي عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوا وَ
كَيْفَ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيَكْبِرُونَ وَ يَدْعُونَ وَ يُصَلُّونَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ ثُمَّ يَدْخُلُ
قَوْمٌ فَيَكْبِرُونَ وَ يُصَلُّونَ وَ يَدْعُونَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ حَتَّى يَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوا يَا
صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ أَيَدْفَنُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوا أَيْنَ قَالَ
فِي الْمَكَانِ الَّذِي قَبِضَ اللَّهُ فِيهِ رُوحَهُ فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوحَهُ إِلَّا فِي مَكَانٍ
طَيِّبٍ فَعَلِمُوا أَنَّهُ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يُغَسِّلَهُ بَنُو آيِيهِ وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ
يَتَشَاوَرُونَ فَقَالُوا انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ نَدْخُلُهُمْ مَعَنَا فِي هَذَا الْأَمْرِ
فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ مِنَّا أَمِيرٌ وَ مِنْكُمْ أَمِيرٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
مَنْ لَهُ مِثْلُ هَذِهِ الثَّلَاثِ ثَانِي اثْنَيْنِ إِذْهُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ
اللَّهَ مَعَنَا مَنْ هُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَ بَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيلَةً .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی جہضمی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے
ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن داؤد نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلمۃ بن عبید نے یہ روایت
بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نعیم بن ابی ہند نے نبیط بن شریط کے حوالہ سے اس کی خبر دی
اور انہوں نے اسے سالم بن عبید ضحالی رسول ﷺ سے روایت کیا۔ صحابی رسول سالم بن
عبید سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بیماری کے دوران آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری
ہو جاتی اور پھر آرام ہو جاتا تو ارشاد فرماتے کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں،
ارشاد فرمایا بلال کو کہو کہ اذان کہے اور ابو بکر صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ پھر بے ہوشی طاری
ہوئی اور پھر آرام ہو گیا تو ارشاد فرمایا کیا نماز کا وقت ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں! ارشاد
فرمایا بلال کو کہو اذان دے اور ابو بکر صحابہؓ کو نماز پڑھائیں۔ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ
بیشک میرا باپ رقیق القلب ہے، جب وہ آپ کے مصیبتی پر کھڑا ہوگا تو بے ساختہ رو پڑے
گا۔ لہذا وہ آپ کی جگہ پر نہیں کھڑا ہو سکے گا۔ لہذا آرزو رکھتی ہوں کہ کسی اور کو نماز

پڑھانے کا حکم دیجئے۔ سالم بن عبید نے فرمایا آپ ﷺ پر بے ہوشی طاری ہوئی اور پھر آرام ہو گیا، تو ارشاد فرمایا بلالؓ کو کہو اذان کہے اور ابو بکرؓ کو کہو صحابہ کو نماز پڑھائے۔ پس یقیناً تم یوسف علیہ السلام کے واقعہ والی عورتیں بن رہی ہو۔ سالم بن عبید نے فرمایا کہ چونکہ بلالؓ کو امر کیا گیا تو اس نے اذان دی اور ابو بکرؓ کو امر کیا گیا، تو انہوں نے نماز پڑھائی۔ پھر رسول کریم ﷺ نے کچھ آرام محسوس فرمایا، تو ارشاد فرمایا دیکھو کوئی ہے، جس پر سہارا لے کر مسجد تک جاؤں۔ حضرت بریرہؓ اور ایک دوسرے شخص آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں پر سہارا لیا، پس جب ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، تو حضور ﷺ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے نماز پوری کر لی۔ بالآخر رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! جس نے بھی یہ بات کہی اور میں نے سنی کہ حضور ﷺ کا وصال ہوا ہے، اس کی گردن اپنی تلوار سے اڑا دوں گا۔ راوی نے کہا کہ عام طور لوگ ناخواندہ تھے، نیز ان میں پہلے کوئی نبی بھی نہ ہوا تھا۔ لہذا لوگ چپ ہو گئے۔ صحابہؓ نے کہا اے سالم! حضور ﷺ کے ساتھی کو بلا لو۔ ابو بکر صدیقؓ (اپنے محلہ کی) مسجد میں تھے کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ میں روتا ہوا دہشت زدہ ان کے پاس پہنچا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ کیا حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ میں نے کہا کہ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سنوں گا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پس ابو بکر صدیقؓ نے مجھے کہا چلو۔ سو میں ان کے ساتھ آ گیا۔ اُس وقت صحابہؓ حضور پاک ﷺ کے وجود مبارک کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے لوگو مجھے راہ دے دو۔ پس آئے یہاں تک کہ آنحضور ﷺ پر گر پڑے اور وجود مبارک سے لپٹ گئے اور فرمایا یقیناً آپ ﷺ نے بھی انتقال کرنا ہے اور بیشک انہوں نے بھی مرنا ہے، پھر صحابہؓ نے کہا اے رسول کریم ﷺ کے رفیق! کیا حضور ﷺ وصال فرما چکے ہیں۔ آپ نے جواب دیا ہاں۔ پس صحابہؓ کو یقین آ گیا۔ صحابہؓ نے کہا اے رفیق رسول کریم ﷺ! کیا ہم رسول اللہ ﷺ پر نماز پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کس طرح؟ فرمایا کہ ایک گروہ

داخل ہو، پس تکبیر کہیں دعا کریں اور نماز پڑھیں۔ پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ آئے تکبیر کہے، نماز پڑھے اور دعا کہے، پھر باہر چلا آئے، حتیٰ کہ ساری مخلوق اسی طرح حجرہ مبارکہ میں داخل ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رفیق رسول اللہ ﷺ کیا آنحضرت ﷺ کو دفن کیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے کہا کہ کہاں؟ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے، وہی مدفن ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ پس صحابہؓ جان گئے کہ انہوں صحیح صحیح فرمایا ہے، پھر ابو بکر صدیقؓ نے حضور ﷺ کے چچا زاد بیٹوں کو فرمایا کہ تم غسل دو اور مہاجر جمع ہو کر باہم دگر مشورے کر رہے تھے۔ سو مہاجرین نے ابو بکر صدیقؓ کو کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائیوں انصار کی طرف چلیں تاکہ وہ بھی اس مشورہ میں شریک ہو جائیں۔ انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم سے ہو، تو عمر بن الخطابؓ نے کہا کہ کون ہے جس میں تین فضیلتیں جمع ہیں۔ صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے یار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھا، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تم جانتے ہو وہ دونوں کون سی ہستیاں تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ پھر عمرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابو بکر صدیقؓ کے دست مبارک پر لوگوں نے بیعت کر لی۔ بیعت نیک اور بہترین۔

راویان حدیث (۶۵۹) سلمۃ بن نبیطؓ (۶۶۰) نعیم بن ابی ہندؓ (۶۶۱) نبیط بن شریطؓ اور (۶۶۲) سالم بن عبیدؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔
انبیاء پر بے ہوشی آسکتی ہے، مگر جنون نہیں :

قال اغمی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کے دوران حضور اقدسؐ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی۔ یہ اس آخری بیماری کا ذکر ہے، جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہو سکے۔ یہ بیماری بھی درحقیقت ضعفِ بدن تھا نہ یہ قطعی بے ہوشی انبیاء پر بے ہوشی کا آنا جائز ہے کہ بے ہوشی بھی ایک گونہ مرض ہے، جو ضعف اور فتورِ اعضاء سے لاحق ہوتی ہے۔ بخلاف جنون کے کہ وہ نقص ہے اور انبیاء اس سے پاک ہوتے ہیں اور انبیاء کی بے ہوشی بھی عام انسانوں کی طرح بے ہوشی نہیں ہوتی۔ و لیس اغماؤہم کاغماء

غیر ہم (مواہب ص ۲۸۹) کیونکہ اس سے صرف اُن کے ظاہری حواس پر پردہ آجاتا ہے، مگر قلوب بحال ہوتے ہیں، کیونکہ جب ان کے دلوں پر نیند نہیں آتی تو بے ہوشی تو بطریق اولیٰ نہیں آنی چاہئے۔ علامہ بیجوریؒ لکھتے ہیں لانه اذا عصمت عن النوم فعن الإغماء أولى (مواہب ص ۲۸۹)

نرم دلی صدیق اکبرؑ کی طبعی افتاد تھی :

فقالت عائشة حضرت صدیق اکبرؑ طبعی طور پر نرم دل پیدا ہوئے تھے ان پر اکثر رقت طاری رہتی تھی، پھر حضور اقدس ﷺ سے بھی بہت قریب کا تعلق تھا۔ سیدہ عائشہؓ حضرت صدیق اکبرؑ کی زیرک بیٹی تھیں۔ انہیں اپنے والد کے ساتھ حضور ﷺ سے تعلق خاطر اور طبعی افتاد و نرم دلی کا بھی علم تھا۔ انہیں یہ تصور غالب تھا کہ حضرت صدیق اکبرؑ سے آپ ﷺ کا مصطلیٰ خالی نہ دیکھا جاسکے گا۔ پھر اُمّ المؤمنین حفصہ بنت عمرؓ بھی حضرت عائشہؓ کی ہمنوا بن چکی تھیں۔ دونوں حضرت صدیق اکبرؑ کی بجائے کسی دوسرے شخص سے امامت کروانے پر اصرار کر رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے متعدد بار سوال و جواب پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا :

صواحباتِ یوسف کے ساتھ تشبیہ :

فَانَكُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوْسُفَ : تم یوسف کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔

قولِ اوّل :

اوّل یہ کہ تم سے مراد حضرت عائشہؓ ہیں اور عورتوں سے مراد صرف زلیخا ہیں اور جمع کا لفظ تعظیسی محاورہ کے اعتبار سے فرمایا۔ اس قول کے موافق (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زلیخا نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسفؑ پر بہت زیادہ اصرار کیا۔ ایسے ہی تم بھی بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ (ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زلیخا نے اپنی ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے حُسن و

جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں۔ ایسے ہی حضرت عائشہؓ ظاہر اتویہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ رقیق القلب ہیں، وہ آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہ سے خود دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک لوگ اس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے، جو حضور اکرم ﷺ کی جگہ پر کھڑا ہو اور اس کو منحوس سمجھیں گے

قول دوم :

دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت یوسفؑ والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں، جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا۔ اس قول کے موافق بھی (الف) تشبیہ بیجا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہؓ نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔ (ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار کرنے میں ہے کہ (حضرت عائشہؓ کے ذہن میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی جگہ حضرت صدیق اکبرؓ کو کھڑا ہوا دیکھیں گے، تو نحوست کا دوسوہ کریں گے۔ اور حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے بھی اپنی موافقت پر اصرار کرایا اور شاید ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ والیوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں، لیکن درحقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے اقتتال امر کو ترجیح دی :

بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل شانہ اور مسلمان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے۔ اقتتال حکم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی (اور حضور اکرم ﷺ کے شام وصال تک

سترہ (۱۷) نمازیں ادا فرمائیں۔ اس لئے کہ یہ قصہ جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے، پنجشنبہ کی شام کا ہے کہ پنجشنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کے نماز کے وقت یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھا، شروع کی اور دو شنبہ کے روز چاشت کے وقت حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا۔ اس لئے کل سترہ (۱۷) نمازیں ہوئیں، جو مسلسل حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور اکرمؐ کے شدتِ مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندہ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتداء اس سے بہت پہلے سے تھی۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی۔ (خصائل)

جن خوش نصیبوں پر حضور ﷺ نے تکیہ فرمایا تھا :

فقال انظروا حضرت بریرہ جو آپ ﷺ کی لونڈی تھیں اور حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ دوسرے صاحب کا نام نوبہ تھا۔ بعض نے حضرت علیؓ، حضرت قثمؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ کے نام بھی لیے ہیں۔ یعنی دوسرے شخص کا مصداق ان میں سے کوئی ایک تھا۔ وفی روایۃ للشیخین خرج بین عباس و رجل آخر وهو علی وفی روایۃ العباس وولده الفضل، وفی اخری العباس و أسامة و للدارقطنی أسامة و الفضل ویمکن التوفیق بین الروایات بتعدد خروجہ صلی اللہ علیہ وسلم (مواہب ص ۲۹۰) (اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ حضرت عباسؓ اور ایک دوسرے شخص کے سہارے نکلے اور وہ حضرت علیؓ تھے اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ اور اس کے بیٹے حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت اسامہؓ کے سہارے اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ اور حضرت فضلؓ کے سہارے نکلے۔ اور سب روایات کے درمیان تطبیق کی یہی صورت ممکن ہے کہ آپ ﷺ کا باہر آنا متعدد بار ہوا ہوگا)

آپ ﷺ کا وصال اُمت کے لئے عظیم صدمہ :

قضی ابو بکر صلواتہ، حضرت ابو بکرؓ نے اپنی نماز مکمل کر لی۔ یہ پیر کی صبح کا واقعہ ہے، پھر

تکلیف میں اضافہ ہوا اور اسی روز چاشت کے وقت وصال فرمایا۔ صحابہؓ کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا، وہ ظاہر ہے، منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور اکرم ﷺ کے تیس (۲۳) سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور اکرم ﷺ جیسی قدسی ذات کی مفارقت اور اس محبوب کی جدائی جس کی بدولت گھر بار خویش واقارب مال و متاع سب لٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے، جو درحقیقت سنبھالا تھا نہ کہ افاقہ۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ کے وصال کی خبر کا باوجود بہت مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا، چنانچہ حضرت عمرؓ (جیسے باعظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت و ہمت تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفته ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے۔) (خصائل)

فقال عمر والله لا اسمع حضرت عمرؓ فرمانے لگے، واللہ! آپ ﷺ کا وصال نہیں ہوا، جو بھی آپ ﷺ کے وصال کی بات کرے گا، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حالات نازک تھے، نزاکت اور سامعین کے سکوت کی وجہ ترجمہ میں بیان کر دی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کو بلایا گیا۔ آپ ﷺ کے جسد اقدس کے قریب پہنچے، حتیٰ اکب علیہ تو آپؐ پر جھک گئے ہوسہ (اور اس کو ہاتھ لگایا) جس کی تفصیل گذشتہ حدیث میں آگئی ہے۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی انک میت وانہم میتون (الزمر: ۳۰) (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) اس کے بعد کی تمام تفصیلات تحت اللفظ ترجمہ میں آگئی ہیں۔

نماز جنازہ کی نوعیت و تفصیلات :

انصلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اے رفیق رسول کریمؐ! کیا ہم حضور ﷺ پر نماز جنازہ پڑھیں۔ انہوں نے فرمایا ہاں! صحابہؓ نے عرض کیا کس طرح؟ انہوں نے فرمایا ایک گروہ داخل ہو، پس تکبیر کہیں دعا کریں اور درود پڑھیں، پھر وہ باہر چلے آئیں، پھر دوسرا گروہ داخل ہو، یعنی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں لوگ حجرہ مبارکہ میں جائیں، تکبیر دعا اور صلوة پڑھ کر واپس چلے آئیں۔

نمازِ جنازہ کا یہ طریقہ حضور ﷺ کے لئے خاص تھا۔ اس کی تفصیلات مستدرکِ حاکم اور مسندِ بزار میں موجود ہیں۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں کو حجرہ عائشہؓ میں اکٹھا کیا تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور! موت تو ہر ذی روح کے لئے برحق ہے، جب آپ کی ذاتِ مبارکہ پر یہ وقت آجائے، تو مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ تو آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے غسل دے کر تین سفید کپڑوں میں کفن پہنادو تو مجھے چار پائی پر رکھ دینا، پھر تم تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر نکل جانا۔ سب سے پہلے میرا جنازہ مقرب فرشتے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پڑھیں گے، یعنی جبرائیل علیہ السلام، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ درگروہ کمرے میں داخل ہو کر فَصَلُّوْا عَلَیْ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مجھ پر درود و سلام پڑھنا۔

چونکہ حضرت ابو بکرؓ کو یہ حدیث یاد تھی۔ لہذا انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ دس دس کے گروہ میں لوگ کمرے میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہؓ میں سے پہلے مردوں نے دس دس کی تعداد میں اندر داخل ہو کر مذکورہ طریقے سے آپ کا جنازہ پڑھا اور پھر اسی طریقے سے عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔

جناب قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری لکھتے ہیں :

نمازِ جنازہ پہلے کنبے والوں نے، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، مردوں اور عورتوں نے، پھر بچوں نے ادا کی۔ اس نماز میں کوئی امام نہیں تھا نماز یہ تھی۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما، اللہم ربنا لیک و سعیدیک صلوة اللہ البر الرحیم . و الملائکة المقربین و النبین و الصدیقین و الصالحین و ماسبح لک من شیء یارب العلمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبین و سید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العلمین الشاهد المبشر الداعی باذنک السراج المنیر و بارک و سلم (رحمۃ اللعالمین ج ۲ ص ۳۲۶) (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کے اوپر اے ایمان والو تم بھی درود بھیجو اور سلام بھیجو۔ سلام بھیجنا

اے اللہ ہمارے رب! ہم بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اے رب رحیم اے رب العالمین تو اپنا اور مقرب فرشتوں، نبیوں، صدیقین اور نیکو کار اور ہر وہ مخلوق جو تیری پاکی بیان کرے کا درود و سلام پہنچا دے۔ محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین والمرسلین متقین کے مقتدا اور رب العالمین کے رسول شاہد، مبشر جو آپ کے حکم سے داعی ہیں اور سراج منیر ہیں)

مدفن مبارک :

قال فی المكان الذی قبض اللہ فیہ روحہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس جگہ آپ ﷺ کا وصال ہوا ہے۔ وہی مدفن ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا وصال پاک جگہ میں کیا ہے۔ علامہ عبدالرؤف تحریر فرماتے ہیں :

اخرج ابن الجوزی فی الوفاء عن عائشة قالت لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی دفنہ فقال لی علی رضی اللہ عنہ انه لیس فی الارض بقعة اکرم علی اللہ من بقعة قبض فیہا نفس نبیہ قال الشریف السہودی فهذا اصل الاجماع علی تفضیل البقعة التي ضمت اعضاءہ علی جمیع الارض حتی الکعبة۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۷۲)

یعنی الوفاء میں ابن جوزی تخریج کرتے ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جس وقت حضور ﷺ کا وصال ہوا تو دفن کرنے کی جگہ پر مختلف آراء پیدا ہو گئیں۔ پس مجھے علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک روئے زمین پر اس جگہ سے افضل کوئی مقام نہیں، جہاں اس کے نبی کا وصال شریف ہوا ہو۔ الشریف السہودی نے فرمایا یہ حدیث اجماع (امت) کی اصل ہے۔ اس بات پر کہ تمام روئے زمین حتیٰ کہ کعبہ اللہ سے بھی وہ جگہ افضل ہے، جہاں حضور اقدس نبی الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے وجودِ مطہر کے اعضاء شریفہ لگے ہوئے ہیں۔

غسل کا مرحلہ :

ثم امرهم ان یغسلہ بنو ابیہ پھر ابو بکر صدیق نے اہل بیت اور آپ ﷺ

کے قریبی رشتہ داروں کو غسل اور تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے غسل میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹے فضلؓ اور قثمؓ، آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اسامہ بن زید اور صالح حبشی شریک تھے۔ بعض محدثین کرامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی اجازت سے اوس بن خولی انصاریؓ، سعد بن وقاصؓ کے کنویں سے پانی بھر کر لاتے تھے اور حجرہ انور میں پہنچاتے تھے۔ حجرہ انور کا دروازہ بند تھا اور یہ چھ حضرات اندر تھے۔ بیہتی نے دلائل میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اختلاف ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو کپڑے میں غسل دیا جائے یا دیگر اموات کی طرح برہنہ کر کے نہلایا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیم خوابی کا عالم طاری کر دیا کہ انہوں نے اپنی ٹھوڑیوں کو اپنے سینوں پر پہنچا دیا، یعنی اونگھ غالب آگئی۔ اچانک گھر مبارک کے ایک کونہ سے ایک شخص کی صدا آئی اغسلوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم و علیہ ثیابہ (جمع ج ۲ ص ۲۷۳) یعنی خدا کے پیغمبر کو برہنہ نہ کرو اور اس کے کپڑوں میں ہی اسے غسل دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا فغسلوه و علیہ قمیصہ یصبون الماء فوق القمیص (جمع ج ۲ ص ۲۷۳) (پس انہوں نے آپ ﷺ کو غسل دیا قمیص پہنے ہوئے اور اس کے اوپر ہی پانی ڈال رہے تھے)

مسئلہ خلافت اور امیر کا انتخاب :

واجتمع المهاجرون..... مہاجرین نے جمع ہو کر کارِ خلافت چلانے کے لئے انتخابِ امیر کے لئے باہمی مشورہ شروع کر دیا، ادھر انصار بھی سقیفہ بنی سعد میں جمع ہو کر امیر کے انتخاب پر صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ اس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ میں کچھ اختلاف بھی ہوا۔ بہر حال جب حفاظتِ اسلام اور رفع اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدارِ رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ جب تلوار سونتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے اس مقولہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں کلامِ پاک کی آیت وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ..... تلاوت فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو تو حضور اکرم ﷺ کا تو وصال ہو چکا، لیکن جو

شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہو، تو اللہ جل جلالہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابو بکرؓ کے خطبہ کی آواز سن کر منبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے، جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا، پھر یہ تجویز ہوا کہ انصار کی شرکت بھی اس مشورے میں ضروری ہے۔ ان کی شرکت سے کوئی امر قرار پانا چاہئے۔ اس لئے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے۔ وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا تھا۔ انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں سے ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو۔ (اس پر حضرت ابو بکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد الائمة من قریش امیر قریش میں سے ہو نقل کیا)

ابو بکر صدیقؓ کی تین امتیازی خصوصیات :

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں، چہ جائیکہ اور فضائل اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہر ایک کمالِ فضل پر دال ہو۔

اول حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد و ارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا، جس کو حق تعالیٰ شانہ ثانی اثنین اذہما فی الغار (دوسرا دو میں کا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ شانہ ان کو حضور اکرمؐ کا ساتھی اور رفیق فرما رہے ہیں) اذ قال لصاحبه لا تحزن (جس وقت کہ کہتا تھا اپنے رفیق کو کہ غم نہ کھا) تیسرے اللہ جل شانہ کی معیت کہ حضور اقدسؐ نے ان اللہ معنا فرمایا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) اُس وقت حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں حضرات وہاں تھے، جن کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے ہمارے ساتھ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے جن کا آیت میں ذکر ہے، کس قدر بڑی ذات ہے، ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدسؐ اور حضرت ابو بکرؓ کے برابر کون سی ہستی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی، جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ کی زندگی میں آپؐ کی نیابت فرمائی :

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو مصلے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانے میں حکماً نماز پڑھوائی۔ تم میں سے کون گوارا کر سکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے، جس کو حضور ﷺ نے امام بنایا ہو۔ انصار نے کہا اللہ کی پناہ۔ ہم حضرت ابو بکرؓ کے آگے نہیں بڑھ سکتے) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا و رغبت بیعت کی۔

یہ ابتدائی بیعت تھی، جو انصار کی مجلس میں ہوئی۔ اس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی، جس میں اول حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ جس میں حضرت ابو بکرؓ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور تھے ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعاء کی۔ اپنے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہو جانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے۔ مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا ہے، میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔ (خصائل)

ایک اعتراض کا جواب :

واجتمع المهاجرون يتشاورون 'معلوم ہوا کہ تاخیر اس مشاورت کی وجہ سے تھا۔ روافض کا کہنا ہے کہ صحابہ کرامؓ خلافت کی فکر میں تجہیز و تکفین سے بے پرواہ ہو گئے۔ طبقات ابن سعد میں بعض روایات منکرہ ایسی منقول ہیں، جن سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے، لیکن کہا جائے گا کہ تجہیز و تکفین تو اہل بیت کا کام تھا۔ چنانچہ ان یغسلہ بنو ابیہ (اس کو غسل اس کے خویش واقارب دے دیں) کا حکم ارشاد فرما چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ پر کیا اعتراض ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ طبقات ابن سعد کی روایات موضوعہ ہیں۔ انتفاخ نعش کی

نوبت نہیں آئی۔ البتہ تاخیر ضرور ہوگئی جو ہونی چاہئے تھی۔ کما مر..... چونکہ تجہیز و تکفین آخری خدمت تھی۔ جب کہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام ہر خدمت میں مسابقت کرتے تھے۔ تو اس وقت مجادلہ ہو جاتا بغیر انتخاب خلیفہ کے قتل و قتال کی نوبت آتی۔ یہ داخلی فتنہ تھا ادھر ملوک عجم مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ اس داخلی فتنہ سے خوب فائدہ اٹھاتے، اس لئے انتخاب خلیفہ کی طرف توجہ کئی گئی۔ بنا بریں فقہاء فرماتے ہیں اول فریضہ بعد الایمان اقامت خلافت ہے تاکہ امور ایمانیہ کی حفاظت ہو۔

(۳۸۱/۱۳) حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ شَيْخٌ بَاهِلِيٌّ قَدِيمٌ بَصْرِيٌّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبَنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَآكْرَبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا كَرْبَ عَلَيَّ أَبْيَكُ بَعْدَ الْيَوْمِ إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكَ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدٌ الْوَفَاةُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد اللہ بن زبیر شیخ باہلی قدیم بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالک سے یہ روایت نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفاة میں سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی۔ بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔

راوی حدیث (۶۶۳) عبد اللہ بن الزبیر کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ﷺ کے وصال پر صحابہ غم سے نڈھال ہو گئے :

و اکرباہ..... کرب شدت سختی تنگی اور تکلیف میں ہونے کو کہتے ہیں۔ لفظ

وا عربی زبان میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مقصود رنج کا اظہار ہوتا ہے۔ علامہ یوسف نبھانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہؓ غم سے نڈھال ہو گئے۔ بہت سے لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں نے اپنے کپڑے سے حضور ﷺ کا جسم مبارک ڈھانپ دیا۔ لوگ مختلف باتیں کرنے لگے، کسی نے کہا حضور ﷺ کی رحلت نہیں ہوئی، کسی نے کہا حضور ﷺ دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور منافقوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، ان کا قلع قمع کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا جو یہ کہے گا کہ حضور ﷺ کی رحلت ہو گئی ہے، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مختلف باتوں سے شور و شغب ہو گیا۔ حضرت علیؓ نڈھال ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ عثمان غنیؓ پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا، لوگ کوئی بات پوچھتے تو ہاتھ کے اشاروں سے جواب دیتے۔ مصیبت اور غم و اندوہ کے اس طوفان میں جس کو اپنے ہوش و حواس پر مکمل قابو تھا، وہ صرف حضرت ابو بکرؓ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کی مدد فرمائی اور انہیں ثابت قدم رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ آیت لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو لوگ مطمئن ہو گئے۔

۔ اِنکَ مِیّتٌ وَاِنَّہُمْ مِیّتُوْنَ ، ثُمَّ اِنکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر ۳۰، ۳۱)

(تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تحقیق تم دن قیامت کے نزدیک پروردگار اپنے کے جھگڑو گے) (وسائل الوصول)

(۲۸۲/۱۴) حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ وَ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنِ بَارِقِ الْحَنْفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّيَّ اَبَا اُمِّي سِمَاكَ بْنَ وُلَيْدٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِي اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَمَا الْجَنَّةِ فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَامُوقَةَ قَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِاُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ بصری اور نصر بن علی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبد ربہ بن باریق حنفی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا سماک بن ولید کو کہتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچے ذخیرہ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ شانہ ان کی بدولت اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! جس کا ایک ہی بچہ ذخیرہ بنا ہو، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچہ چل دیا ہو، وہ بھی بخش دیا جائے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی نہ مرا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے میں ذخیرہ آخرت بنوں گا۔ اس لئے کہ میری وفات کا رنج آل و اولاد سب سے زیادہ ہوگا۔

راویان حدیث (۶۶۳) ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ (۶۶۵) عبد ربہ بن باریق الحنفی اور (۶۶۶) جدی ابامی سماک بن الولید کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ فرط کا معنی :

عن ابن عباس مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ فرط بچے کا معصومیت کے زمانہ میں انتقال ہونا، قافلہ پہنچنے سے قبل ایک شخص کا مقررہ مقام پر پہنچ کر پانی اور چارے کا بندوبست اور انتظام کرنا، وهو السابق الی محل لابد من الوصول الیہ لیھیء المنزل و یزیل ما یخاف منه و یاخذ الامن فیہ للمتأخر عنہ فهو بمعنی فاعل (مناوی ج ۲ ص ۲۸۱)

(علامہ مناوی فرط کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا ایسے مقام کی طرف پہلے پہنچ جانا تاکہ بعد میں آنے والوں کے لئے محفوظ جگہ اور دوسرے ضروریات زندگی کا مکمل انتظام کر دے تو فرط بمعنی فارط اسم فاعل کے ہوگا)

فوت ہونے والے چھوٹے ذخیرہ آخرت بنیں گے :

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں :

جس شخص کے میری اُمت سے دو چھوٹے بچے فوت ہو جائیں، یعنی حضور ﷺ کے اُمتی میں سے کسی کے دو چھوٹے بچے مر جائیں، تو یہ دونوں اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ ہوں گے۔ یہ اس شخص کی سفارش کریں گے اور اس کی بخشش کا ذریعہ ہوں گے۔ ان کی بدولت یہ جنت میں جائے گا۔ گویا اس کے دخولِ جنت کا یہ بچے وسیلہ بنیں گے۔ اُمّ المؤمنینؓ کے استفسار پر تو اس شفیق اُمت ﷺ نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر ایک چھوٹا بچہ فوت ہوا، تو وہ بھی ذخیرہ بن جائے گا۔ نیز اُمت میں وہ لوگ کہ جن کا کوئی چھوٹا بچہ فوت نہ ہوا ہو، تو ان کے متعلق ارشاد ہے کہ ان کے لئے میں ذخیرہ آخرت ہوں

حدیث شریف میں ہے : انا فرطکم علی الحوض (جمع ج ۲ ص ۲۸۱) میں حوضِ کوثر پر تمہارا پیش خیمہ ہوں۔ یعنی پہلے جا کر تمہارے لئے تمام سہولت اور آرام کا انتظام کرنے والے والا ہوں۔ اس لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی اُمت کو تعلیم دی کہ جب تمہارا چھوٹا بچہ فوت ہو جائے، تو اس کی نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرْطًا۔

(جمع ج ۲ ص ۲۱۸) یا اللہ! اس بچہ کو ہمارا پیش خیمہ بنا۔ یعنی یہ جو ہم سے آگے آیا ہے، اس کو آخرت میں کام آنے کے لئے ہمارے لئے اجر و ثواب بنایا ہمارا سفارشی بنا دے۔ ایک حدیث شریف میں ہے صغیر بن بچہ جو گذر گیا ہو اپنے ماں باپ کی سفارش کرے گا

حضور اقدس ﷺ کی جدائی سب سے بڑا صدمہ ہے :

انا فرط لامتی میرے وصال کا رنجِ آلِ اولاد سب سے زیادہ ہوگا یعنی میری اُمت کو میرا یہ دنیاوی فراق ناقابلِ قبول ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے۔ حضرت احمد عبد الجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں :

وكان الرجل من اهل المدينة الشريفة اذا اراد ان يعزى اخاه عزاه في

النبی قبل ای یعزیه فی مصیبتہ (اتحافات ص ۴۰۰) (مدینہ شریف کے لوگوں میں سے جب کوئی اپنے بھائی مسلمان کی کسی مصیبت وغیرہ میں تعزیت کے لئے جاتا۔ تو اس مصیبت کی تعزیت سے پہلے حضور ﷺ کے وصال و فراق کی مصیبت کی تعزیت اس کے ساتھ کرتا)

یقیناً حضور اکرم ﷺ کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ اعزہ احباب بیوی اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور اکرم ﷺ کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی کرے یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اقدس ﷺ کی مفارقت پر صبر کر لیا تو اس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مصائب شدیدہ میں سے اتنی شدید ترین مصیبت ہے کہ اس پر کبھی صبر و برداشت ہو بھی نہیں سکتا اور جب امت نے یہ صدمہ شدیدہ برداشت کر لیا (اور نہ کرنا نہیں چاہئے تھا) تو یہ معمولی مصائب کو بھی برداشت کر لینا چاہئے۔

ایک شاعر نے تو اس سلسلہ میں اس حد تک بھی کہہ دیا کہ

والصبر یحمد فی المصائب کلھا

الا علیک فان مذموم

(مناوی ج ۲ ص ۲۱۸)

(اور صبر محمود ہے ہر قسم کے مصائب میں مگر آپؐ کی مفارقت جدائی پر مذموم ہے)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کے بیان میں

(۳۸۳/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ أَخِي جُوَيْرِيَةَ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سَلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَارْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسرائیل نے ابی اسحق کے حوالے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے اسے صحابی رسول اور ام المؤمنین جویریہ کے بھائی عمرو بن الحارث (المصطلقی) سے نقل کی۔

عمرو بن الحارث جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدس نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور اپنی سواری کا خچر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور ان کو بھی صدقہ فرما گئے تھے۔

راویان حدیث (۶۶۷) حسین بن محمد اور (۶۶۸) عمرو بن الحارث کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ کی وراثت :

قال ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم ميراث تركه ميتا كما چھوڑا ہوا مال خواہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اس باب میں حضور سرور کون و مکان، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ترکہ کا بیان ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا سب کا سب ترکہ صدقہ ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت متفق ہیں۔ آنجناب ﷺ کے ترکہ

میں ہتھیار ایک سفید نچر اور کچھ زمین تھی جو کہ صدقہ فرمادی۔ اسلحہ خود نیزہ، تلوار اور زرد پر مشتمل تھا۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی تحریر فرماتے ہیں :

و فی الباب سبعة احادیث و منه نلرک ان هذا الرسول العظیم قد ودع الدنيا بمثل ماجاءها لم یکنز الاموال و لم یترک القصور ، انما کان عف الید و اللسان ، طاهر النفس و القلب ، نظیف السیرة و الثیاب ، مسکینا من المساکین و نفسه اعلى من نفوس الملوک و تلامیذہ اساتذة العالمین ، ولقد انتقل الی الرفیق الاعلى و لم یترک شیئا من الحطام الفانی ، و انما ترک لنا ما ان تمسکنا به لن نضل بعده ابدا : کتاب اللہ و سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم . یامۃ الاسلام : ان میراث نبیکم فی کتاب اللہ و السنة الہادیة فحافظوا علیہما تکنونوا من الصالحین (اتحافات ص ۲۰۵) یعنی اس باب میں سات احادیث ہیں۔ ان احادیث سے ہم سمجھے ہیں کہ اس عظیم شان والے رسول نے دنیائے فانی کو اس حالت میں چھوڑا ہے جس حالت میں پایا تھا۔ نہ تو دولت کے ڈھیر لگائے اور نہ ہی اپنے بعد محلات چھوڑے، اس میں کوئی شک نہیں۔ آنجناب ﷺ کے ہاتھوں اور زبان سے عفت اور پاکیزگی ظاہر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کا نفس پاک، دل مقدس، سیرت عمدہ اور کپڑے ستھرے تھے، اگرچہ آنحضور ﷺ کا وجود اقدس تمام مسکینوں میں سے ایک مسکین جیسا تھا، لیکن شان یہ تھی کہ دنیا کے تمام شہنشاہوں سے ارفع و اعلى، اور آپ کے شاگرد یعنی صحابہ کرام تمام دنیا کے اساتذہ تھے۔ اور یقیناً جس وقت حضور ﷺ محبوب حقیقی سے واصل ہوئے، اس وقت حقیر و فانی دنیا کی کوئی چیز نہیں چھوڑی، اور درحقیقت ہمارے لئے ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر ہم اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوں گے اور وہ قرآن مجید اور سنت رسول کریم ﷺ ہے۔ اے ملت اسلامیہ ! بیشک آپ کے نبی کریم ﷺ کی میراث قرآن مجید اور سنت ہے جو کہ ہدایت کے راستے پر پہنچا دیتی ہے۔ پس ان دونوں چیزوں کی حفاظت کرو تو صالح بن جاؤ گے۔

ترکہ انبیاء کے وارث نہ ہونے کی حکمتیں :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں :

باب کی سب احادیث کا حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے۔ وہ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں کسی عالم کا بھی اہل سنت والجماعت میں سے خلاف نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ترکہ میں وراثت نہ تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی حکم ہے۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس کی وجوہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ مختصراً چند وجوہ لکھی جاتی ہیں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ لہذا ان کی ملک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی بیویوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۲) نبی کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی۔ وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں۔ صوفیہ کرام میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے، الصوفی لایملک صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

(۳) دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔ (۴) اگر انبیاء کے مال میں میراث جاری ہو، تو احتمال ہے کہ کوئی بد نصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

(۵) لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل و عیال کو مال دار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

(۶) مال کے زنگ اور میل کچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنا اس کی وجہ ہے۔

(۷) نبی تمام امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے، لہذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہے

وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں۔ آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔ (خصائل)

(۳۸۴/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ فَقَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي فَقَالَتْ مَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نُورَثُ وَلَكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ وَانْفَقَ عَلَيَّ مِنْ كَانَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.

ترجمہ : امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن ثنی نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابوالولید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن سلمہ نے محمد بن عمرو کے واسطے سے یہ روایت بیان کی انہوں نے یہ روایت ابوسلمہ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ میرے اہل و عیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، پھر میں اپنے والد ﷺ کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا روزینہ حضور اقدس ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا، اُس کو میں بھی ادا کروں گا اور جن لوگوں پر حضور اقدس ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے، اُن پر میں بھی خرچ کروں گا۔

سیدہ فاطمہؓ کے سوال کا منشاء اور تفصیلی جواب :

فقال من يرثك ' یعنی جب آپ کا وصال ہو جائے گا تو آپ کا وارث کون ہوگا ' تو حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، میرے گھر والے اور میری اولاد میری وارث

ہوگی۔ تو سیدہ فاطمہؓ نے عرض کیا کہ پھر میں کیوں اپنے والد ﷺ کی وارثہ نہیں بن سکتی۔ حضرت فاطمہؓ نے استدلال اس لئے کیا تھا کہ اسے علم ہو گیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وراثت نہیں چلے گی۔ اس لئے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ہماری وراثت نہیں ہے، یعنی ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، بلکہ تمام سامان اُمت کی ملکیت ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا جمیع ترکہ :

جبکہ حضور اقدس ﷺ تو کچھ چھوڑ کر بھی نہیں گئے تھے۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ دیناراً و لا درهما و لا عبداً و لا امةً و لا شیئاً الا بغلة البیضاء و سلاحه و ارضاً جعلها صدقة (بخاری کتاب الوصایا) حضور اقدس ﷺ نے اپنے وصال کے وقت نہ تو کئی دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ غلام، نہ لونڈی، نہ کچھ اور مگر ایک سفید خچر اور کچھ اسلحہ اور کچھ زمین جسے حضور اقدس ﷺ نے صدقہ کر دیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے، ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیناراً و لا درهماً و لا بعیراً و لا شاة (ابوداؤد) یعنی آپ ﷺ نے نہ تو کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، لانورث ماترکنا صدقة۔ (بخاری کتاب الجہاد) یعنی ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسئلہ شرعی کی وضاحت کر دی :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تحریر فرماتے ہیں :

بظاہر فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے مال کو ترکہ میراثی قرار نہیں دیا گیا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی کوئی وارث ہو گا یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرما دیا، ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں

انہوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال میں واپس کر دینا۔ اُس کے موافق حضرت ابو بکرؓ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ مشہور حدیث ہے، جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے مسوٰی میں لکھا ہے۔ یہ مضمون کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی وارث نہیں ہے۔ دس صحابہؓ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے (خصائل)

انبیاء کے عیال کے نفقہ کا مسئلہ :

ولکن اعول انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور پر علامہ سیوطی نے انتباہ الاذکیاء فی حیات الانبیاء اور امام بیہقیؒ نے بھی حیات الانبیاء پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اب انبیاء علیہم السلام کے زندہ فی القبور ہونے کا معنی اگر یہ ہے کہ ان کی روح زندہ ہے تو وہ ہر شخص کو حاصل ہے، کیونکہ منکر نکیر سے مکالمہ ہوتا ہے، تو اعادۂ روح اور حیات روح فی البرزخ مشترک ہوئی۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اگر حیات دینیوی مراد ہے، تو پھر اِنک مَیّت و اِنھم مَیّتُونَ (تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور تحقیق وہ بھی مرنے والے ہیں) کے کوئی معنی نہیں، آج اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو آپ کے پاس فیصلہ نہیں لے جایا جاسکتا، تو حیات دینیوی پر موت کا طریان ہوا ہے۔ تو کہا جائے گا حیات کلی مشکک ہے۔

(۱) حیات عنصری جس میں اتصال الروح بالجسد ہے، کہ ایک کے بغیر دوسرا بیکار ہوتا ہے۔ اس حیات عنصری کو موت فنا کر دینے والی ہے۔

(۲) حیات برزخی وہ بھی ہر ایک کو حاصل ہے۔

(۳) حیات اخروی یہ بھی سب کو حاصل ہوگی۔ تو نوع کے اعتبار سے اشتراک ہوا، مگر اشخاص کے اعتبار سے خصوصیت ہے کہ عالم برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے، وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ جیسے ایک پہلوان کی زندگی اور مدقوق کی زندگی میں تفاوت ہوتا ہے۔ ایسے انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں اعلیٰ درجہ کی زندگی دی گئی اور دوسرے درجہ

کی زندگی شہداء کو عطا کی گئی کہ جس کے اثر سے ان کا بدن محفوظ رہتا ہے۔ ان شہداء کی زندگی کا اثر عالم احکام میں کوئی نہیں ہوتا۔ ان کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ عدت کے بعد ان کی بیوگان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے ابدان محفوظ ہیں، ان کے اموال میں میراث جاری نہیں ہوتا۔ ان کی ازواج سے نکاح کرنا حرام ہوتا ہے اور ان کے عیال کا نفقہ انبیاء پر واجب ہوتا ہے، جو ان کا نائب ادا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں، اَعُولُ عَلٰی مَنْ كَانَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ..... الخ (جن لوگوں کا روزیہ حضور ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا اس کو میں ادا کروں گا)

(۳۸۵/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ الْعَنْبَرِيُّ أَبُو غَسَّانٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي الْبُخْتَرِيِّ أَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا جَاءَا إِلَى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْتَ كَذَّابٌ أَنْتَ كَذَّابٌ فَقَالَ عُمَرُ لَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعِدَ أَنْشَلْتُكُمْ بِاللَّهِ أَسْمِعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّ مَالِ نَبِيِّ صَلَاقَةٌ إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ إِنَّا لَا نُورَثُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن المثنیٰ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یحییٰ بن کثیر عنبری ابو غسان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے اسے عمرو بن مرہ سے ابو البختری کے واسطے سے نقل کیا۔ ابو البختری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس تشریف لائے۔ ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اس کو انتظام کے ناقابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ان سب حضرات کو متوجہ فرما کر یہ فرمایا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم سب نے حضور اکرم ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے۔ بجز اس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے۔ ہم انبیاء کی

جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔
 راویان حدیث (۶۶۹) یحییٰ بن کثیر العنبریؒ اور (۶۷۰) ابی البختریؒ کے حالات
 ”تذکرہ راویان شائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی خصومت کی حقیقت :

یختصمان شبہ ہوتا ہے کہ یہ کبار صحابہؓ کیسے جھگڑا کر رہے ہیں کہ گالی گلوچ تک
 نوبت پہنچ گئی۔ بعض حضرات نے تو اس روایت کا انکار کر دیا، مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ
 ہے کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے چچا ہیں۔ چچا بھتیجے کو کوئی سخت کلمہ کہہ دے تو اس کے لئے
 جائز ہے، کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون
 علیہ السلام سے سلوک کیا۔ جس پر لَا تَأْخُذْ بِدِلْحِيَّتِي (میری داڑھی کو نہ پکڑ) کہنا پڑا۔ اس
 لئے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، کہ اگر حضرت امیر
 معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو کوئی سخت اور ثقیل کلمہ کہہ دیا تو وہ آپس میں بھائی تھے۔ ایک
 دوسرے کی اصلاح کے لئے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہمیں اجازت نہیں کہ ہم ان میں
 سے کسی کے متعلق کچھ کہیں۔ (بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ از قبیلہ حسنات الابوار سیئات المقربین
 (نیوکار لوگوں کی نیکیاں اللہ کے مقرب بندوں کی سیئات شمار ہوتی ہیں) کے ہے)۔

ابوداؤد کی روایت :

وفی الحدیث قصة امام ترمذیؒ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا۔
 وہ حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے پورا قصہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابوداؤدؒ
 نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد مالک بن اوسؒ کی
 حدیث پر جو نمبر ۶ پر آ رہی ہے، حوالہ کر دیا۔ اس لئے کہ مالک بن اوسؒ کی روایت مشہور تھی۔
 حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور خود
 ابوداؤد شریف میں مفصل مذکور تھی۔ اس لئے ایک قصہ کو پورا کا پورا ہر جگہ ذکر کرنا تطویل کا
 سبب تھا۔ ابوداؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک

شخص سے ایک حدیث سنی، جو مجھے بہت پسند آئی۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ کر دیجئے، تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوسؓ ہی ہیں۔ اُس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے پاس اُس وقت حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پہلے سے موجود تھے۔ وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے، یعنی ایک دوسرے کو بد نظمی کا الزام دے رہے تھے حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلائے یا پہنائے۔ اس لئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء علیہم السلام کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بیشک حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پس حضور اقدس ﷺ اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بیچ جاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل در آمد کرتے رہے، جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ مالک بن اوسؓ کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا قصہ ہے

اصل مسئلہ :

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ ارشاد فرماتے ہیں :

یہ وہی واقعہ اور اس کی بعض تفصیلات ہیں، جس کی وجہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان میں زمین اور باغات کی مشترکہ تولیت ہونے کی وجہ سے اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ یہ حضرات چاہتے تھے کہ یہ تولیت ان دونوں میں تقسیم کر دی جائے تاکہ وہ اپنی اپنی تولیت والی جائیداد کا اپنی صوابدید کے مطابق خود انتظام کر سکیں، مگر حضرت عمرؓ نے پہلے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم وراثت کو ثابت کیا اور پھر تولیت کو تقسیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر آج تولیت کو تقسیم کر دیا گیا تو ممکن ہے کل کو تمہاری

اولادیں اس کو وراثت کے طور پر تقسیم کر لیں گے۔ اوقاف کے سلسلہ میں اس قسم کے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ الغرض! حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ کی تولیت کی تقسیم کی اجازت بھی نہیں دی۔ اس حدیث میں جھگڑا وراثت کی تقسیم کا نہیں تھا، بلکہ تولیت کی تقسیم کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا کہ اگر تم قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے اس مشترکہ تولیت کو نبھاسکتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کر دیتا ہوں۔ اسی مضمون کی روایت آگے نمبر ۶ پر بھی آرہی ہے۔

(شمال ترمذی ج ۲ ص ۶۷۳)

(۳۸۶/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكَنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے صفوان بن عیسیٰ نے اسامہ بن زید سے جنہوں نے زہری کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عروہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

قال لا نورث ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ شیخ عبدالرؤف تحریر فرماتے ہیں :

قال الحافظ ابن حجر الذي يظهر ان ما تركه النبي بعده من جنس الاوقاف المطلقة ينتفع بها من يحتاج اليها و تقر تحت يلمن يؤتمن عليها و لهذا كان له عند سهل قلدح و عند انس آخر و عند عبد الله ابن سلام آخر و كان الناس يشربون منها تبركا و كانت جبة عند اسماء بنت ابي بكر الى غير ذلك مما هو معروف (مناوی ج ۲ ص ۲۸۶)

یعنی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں جو بات اس سے ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم کے وصال شریف کے بعد جو چیز رہ گئی ہے، وہ محض وقف تھی، جو اس کا محتاج ہوتا تھا، وہ اس سے نفع حاصل کرتا، نیز وہ چیز اسی کے قبضہ میں رہی، جو امانت سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔ اسی واسطے حضرت سہلؓ کے پاس ایک پیالہ تھا۔ حضرت انسؓ کے پاس ایک دوسرا پیالہ تھا، اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس ایک تیسرا پیالہ تھا اور صحابہ کرامؓ اور دیگر حضرات ان پیالوں میں..... (پانی)..... یا..... اپنی دیگر اشیاء ڈال (..... ڈال کر بطور تبرک پیتے تھے اور اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس حضور پاک ﷺ کا جبہ مبارک تھا۔ ان معروف اشیاء میں سے یہ مشہور چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۳۸۷/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَ مَوْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے سفیان نے ابو زناد سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اعرج سے اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ سے میرے اہل و عیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

نہی اور نفی کی صورت میں مراد کی تعیین :

قال لا يقسم ورثتي یا تو نہی ہے کہ میراث تقسیم نہ کیا جائے یا نفی ہے کہ ہم اتنا مال نہیں چھوڑیں گے، جس کو تقسیم کیا جاسکے۔ بعد نفقہ نسائی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی اور مؤنتہ عاملی سے خلیفہ کی تنخواہ مراد ہے کہ ہر عامل کی مؤنتہ ہے کہ وہ اپنے کام کے مطابق بیت المال سے خرچہ لے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے

لانے والا ہو۔

مولانا محمد زکریا کی مزید توضیح :

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اسی بات کو مزید وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں :

عالم سے مراد وہ شخص بھی بتلایا ہے، جو حضور اکرم ﷺ کے بعد خلیفہ وقت ہونے والا ہے اور وہ بھی کہا گیا ہے، جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے لانے والا ہو۔ یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگران ہو۔ دونوں محتمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت المال کے ذمہ ہے اور ہر وقت کے نگران اور منتظم کو اُس وقف سے حق الخدمت لینے کا حق ہے۔ دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔ تمثیل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں۔ یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے، جو روپیہ پیسہ ہی کی طرف لوٹ آئے (خصائل)

(۲/۳۸۸) حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَطَلْحَةُ وَسَعْدُ وَجَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ أَنْشِدُكُمْ بِالَّذِي يَأْذِنُهُ تَقْوَمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ اتَّعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُورُثُ مَا تَرَكَنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوا اللَّهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں حسین بن علی خلال نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے بشر بن عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت مالک بن انس سے زہری کے واسطے سے سماعت کی۔ انہوں نے یہ روایت مالک بن اوس سے سنی۔ مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کے پاس عبد الرحمن بن عوف اور طلحہ اور سعد بن ابی وقاصؓ بھی تشریف لائے۔ (اُس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اُس ذاتِ پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تمہیں حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ اُن سب حضرات نے فرمایا کہ بیشک یہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

راویان حدیث (۶۷۱) حسن بن علی الخلال (۶۷۲) بشر بن عمر (۶۷۳) مالک بن اوس بن الحدثان کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض اعتراضات کے جوابات :

فقالوا اللهم نعم روافض تو کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کے ڈر سے اللهم نعم کہا اور ترقیہ کیا، مگر جس ذات کو یہ لوگ بعد الانبیاء افضل الناس اور اشجع الناس کہتے ہیں، وہ محض اپنی جان کے خوف سے نبی کریم ﷺ پر کیسے تہمت باندھ سکتے ہیں۔ جب کہ مَنْ كَذَبَ عَلِيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ باندھا پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کا فرمان بھی پیش نظر ہو۔ بالخصوص ایک صحابی کی تو یہ شان نہیں ہے کہ کسی سے ڈر کر وہ آنحضرت ﷺ پر افتراء پر دازی کرے۔ چنانچہ مولانا اسماعیل شہید کا واقعہ ہے کہ وہ دہلی سے پیدل چل کر لکھنؤ گئے۔ منادی کرا کر تقریر کرنے لگے تو درمیان میں ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ یہ شخص تن تہا دہلی سے چل کر تمہاری شان و شوکت کے دور میں تقریر کر رہا ہے کہ کیا حضرت علیؑ اس سے بھی گئے گزرے تھے۔ تو اب حضرت علیؑ ایسے ہیں، جیسے خوارج کہتے ہیں یا کم از کم جیسے اہل سنت آپ کو چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں، تو اس نے کہا میرے قلب پر یہ خطرہ گزرا ہے، کوئی اس کا حل بتائے، تو اس پر سو (۱۰۰) قریب آدمیوں نے موافقت کی اور حضرت شہید کے ہاتھ پر بیعت کی۔

الحاصل ! جب حضرت عباسؑ اور حضرت علیؑ کو یہ حدیث معلوم تھی، تو پھر

حضرت ابو بکرؓ سے کیوں مطالبہ کیا۔ بعد ازاں دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ سے مطالبہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حدیث تو ان کو یقیناً معلوم تھی، مگر بظاہر وہ اس حدیث کو مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً دنانیر کے ساتھ جس کی بناء پر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے سوال کیا اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو سب حضرات کی ہے۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور آپ ﷺ کے ارشاد مائتر کناہ فہو صدقۃ (جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے) پر ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں جاگیر کو لے لیا تھا۔ تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے تلخ کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی، تو جواب یہ ہے کہ یہ بات تو متحقق ہو گئی کہ میراث جاری نہیں ہوتی، پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ یہ تھی کہ کیفیت خرچ میں ان دونوں حضرات میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔

حضرت عباسؓ نہایت منظم اور مدبر تھے۔ دورانِ اندیش تھے، وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے۔ حضرت علیؓ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔ آنحضرت ﷺ کی طرز پر جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا۔ حضرت عمرؓ تولیت کو بھی علیحدہ اس لئے نہیں کرنا چاہتے تھے کہ بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا۔ استدلال میں گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ ابتداء اگرچہ اہل بیت حضرات کا خیال یہی تھا کہ یہ میراث ہے، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخینؒ کی رائے کے موافق ہو گئی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا۔ ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے دور میں اسے تقسیم کر دیتے۔ ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں پھر حضرت حسینؓ اور پھر حسین بن علیؓ کے قبضہ میں رہی۔

تفصیلی قصہ :

وفی الحدیث قصة طويلة یہ وہی قصہ ہے جس کی طرف نمبر ۳ پر ابوالبختریؓ کی روایت میں بھی اشارہ گزر چکا ہے۔ قصہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً سب کتب میں مختصر یا مفصل نقل کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو اضافے ہیں، وہ بھی بقدر ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔

مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں تھا۔ دن کچھ چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمرؓ کا قاصد مجھے بلانے آیا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمرؓ ایک بورے پر بیٹھے ہوئے تھے، جس پر کوئی اور کپڑا بچھا ہوا نہ تھا۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے ان کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے، تم اس کو لے جا کر ان پر تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرما دیتے تو اچھا تھا۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں تم ہی تقسیم کر دو۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام برفا تھا، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔

بعض روایات میں حضرت طلحہؓ کا بھی نام ہے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دیدی۔ یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں برفا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت فرمادی۔ وہ دونوں حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے۔ دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہو گئی۔ حضرت عثمانؓ وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے اور ہر ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔ مسلم کی روایت میں

یہ بھی ہے۔ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ ان دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اُس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو اُس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، صدقہ ہوتا ہے۔ اُس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ ان دونوں حضرات عباسؓ اور علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح ان سے بھی قسم دے کر دریافت فرمایا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ غور سے سنو! اللہ جل شانہ نے یہ فی کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور اکرم ﷺ کو دیا کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ تم لوگوں پر تقسیم فرمایا اور بہت تھوڑا حصہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لئے رکھا اور اس میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا، وہ اللہ کے راستہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ایسے ہی تھا یا نہیں؟ اول ان پانچوں حضرات کو قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی، اس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم کر کے تصدیق کرائی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور ابو بکرؓ خلیفہ بنے اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اسی طرز کو جاری رکھا جو حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا اور اللہ پاک کی قسم ابو بکرؓ اپنے اس رویہ میں نیکی پر تھے۔ راہِ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، لیکن تم لوگوں نے ان کو چناں چہ نہیں سمجھا۔ تم (حضرت عباسؓ) اپنے بھتیجے (علیؓ) کی میراث طلب کرنے اور تم (حضرت علیؓ) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنایا تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے

طریقہ کے موافق اس میں عمل کرتا رہا اور اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں۔ نیکی پر عمل کرنے والا ہوں۔ حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اُس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک کلمہ ایک بات بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصہ۔ میں نے تم سے حضور اکرمؐ کا ارشاد کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، سنا دیا۔ اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کر دوں تو میں نے عہد و پیمان لیا کہ تم اس میں اسی طرح عمل درآمد کرو گے، جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں، تم نے اس کو قبول کیا اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو۔ اُس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں۔ اس کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کروں گا، اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو، تو مجھے واپس کر دو، میں خود انتظام کر لوں گا۔ یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں۔

(۱) حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی۔ یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، مگر ایک تو حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے چچا ہیں۔ اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے۔ دوسرے جب وہ حضرت علیؓ کو ناحق سمجھ رہے ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا ہی چاہئے۔

(۲) یہ کہ جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو یہ حدیث معلوم تھی، جیسا کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے سوال پر اقرار کیا تو کیوں حضرت ابو بکرؓ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمرؓ سے مطالبہ کیا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابو بکرؓ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے، تو پھر حضرت عمرؓ سے دوبارہ کیوں سوال کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم

تھی، مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے۔ مثلاً درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آچکا ہے، لیکن اور سب حضرات کے نزدیک یہ حدیث سب چیزوں کو شامل ہے، جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں جو کچھ میں چھوڑوں، وہ صدقہ ہے کا لفظ آیا ہے۔ اس صورت میں حضرت ابو بکرؓ سے اولاً سوال اپنے اس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اس کو خصوصیت پر سمجھتے تھے اور اس کے بعد دوبارہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمرؓ کی رائے ان دونوں کے موافق ہو، یعنی حضرت عمرؓ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی وہی ہے، جو اور سب حضرات کی ہے اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جب حضرات شیخینؓ کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھے ہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوء ظن کرنا کہ جب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے اور حضور اکرمؐ کے اس صاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے، انتہائی بے ادبی ہے۔ ان کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے، جس کو حضرت عمرؓ نے اپنے اس کلام سے ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابو بکرؓ کو چناں چنیں سمجھا۔

(۳) یہ کہ جب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے انکار پر اور حضور اکرم ﷺ کے

اس ارشاد پر کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا، ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا، تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے، جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی۔ جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو متحقق ہو گئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں

ہوتی۔ اسی وجہ سے حضرات شیخین نے انکار بھی کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا۔ اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیت خراج میں دونوں حضرات میں اکثر اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباس نہایت منتظم اور مدبر تھے۔ دورانہدیش تھے۔ وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے اور ضرورت کے مواقع کے لئے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت فیاض، سخی، زاہد اور متوکل تھے۔ حضور اکرم ﷺ کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے کہ ایک درم بھی باقی نہ بچے اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشاکشی پیش آتی تھی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دارقطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا، بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابوداؤد نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، نہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ تھا۔

(۴) یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے، میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر حضرت عمرؓ کو کیا مانع تھا۔ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا، وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلدی یا بدیر تقسیم کرتا، اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش ملتی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصہ ہے، اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لئے اگر یہ فیصلہ حضرت عمرؓ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے والوں کو اس جائداد کے میراث ہونے کے لئے حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

(۵) یہ کہ ابتداء میں ان حضرات اہل بیت کا خیال اگرچہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لئے اس کا حضرات شیخین سے مطالبہ ہوا، مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخین کی

رائے کے موافق ہو گئی تھی۔ اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا، ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے زمانے میں اس کی تقسیم کر دیتے۔ ابتداء میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی مشترک تولیت رہی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباسؓ نے اس سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ تہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں رہی، پھر حضرت حسنؓ کے پھر حضرت حسینؓ کے پھر علی بن حسینؓ کے (فتح الباری) یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس قصہ کے متعلق ذکر کر دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں، جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ (خصائل)

(۳۸۹/۷) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيرًا قَالَ وَاشْكُ فِي الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ۔

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے عاصم بن بہدلہ سے زید بن حبیش کے واسطے سے یہ روایت بیان کی اور انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ بکری، نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ نہ غلام، نہ باندی یا نہیں فرمایا۔

راوی حدیث (۶۷۴) عاصم بن بہدلہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

واشک فی العبد والامۃ بخاری میں حضرت جویریہؓ سے روایت ہے، جس میں تصریح ہے۔ ولا عبداً ولا امۃ، مگر اس روایت میں راوی کو تردد ہو گیا۔ اس لئے اس نے کلمہ تردید کے ساتھ اس پر متنبہ کر دیا۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے خواب میں دیکھنے کے بیان میں

لفظِ رؤیة اور رؤیا کا معنی اور فرق :

الرؤیة! مطلقاً دیکھنے کو کہتے ہیں، خواہ وہ بیداری میں دیکھنا ہو یا نیند میں، مگر الرؤیا صرف خواب میں دیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ صاحب اتحافات اسی فرق کا ذکر اس عبارت میں کر رہے ہیں) الرؤیة: تكون في اليقظة و في المنام، بخلاف الرؤیا فانها تكون في النوم غالباً (اتحافات ص ۴۰۶) جیسے قریبة بمعنی مطلقاً تقرب کے اور قریبی بمعنی رشتہ داری کے تقرب کے آتا ہے۔ باب ہذا میں فی المنام کی تصریح کی وجہ سے رؤیة کہا گیا ہے۔ باب ہذا کی غرض انعقاد خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت و ملاقات کا بیان ہے۔ اس باب میں امام ترمذی نے سات (۷) احادیث نقل فرمائی ہیں۔

حقیقتِ خواب :

(۱) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ خواب، محض خیالات، بے معنی چیز اور اضغاث احلام (پریشان خواب) ہیں۔ جو مختلف قسم کے اوہام اور خیالات کی ایک بے جوڑ سی غیر مرتب گٹھڑی ہوتی ہے، جس کی اصل حقیقت کوئی نہیں۔ یہ نظریہ جماعتِ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا ہے، کہتے ہیں، یہ قوت متصرفہ کے جوڑنے اور توڑنے کا نتیجہ ہے۔ اس کی حقیقت متحملہ کچھ بھی نہیں، بلکہ یہ انتزاعات میں سے ہے۔

(۲) دوسرا نظریہ حکیموں اور طبیبوں کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق انسان کی جسمانی کیفیات سے ہے۔ انسانی بدن میں جو نسا خلط بھی غالب ہوگا، خواب اسی کے مطابق نظر آئے گا۔ اگر بلغمی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں پانی والی اشیاء سمندر، دریا،

نہریں، سیلاب، اور تیرنا ڈوبنا دیکھتا رہے گا۔ اور اگر بدن میں صفراوی خلط غالب ہے، تو وہ خواب میں آگ اور اس کے متعلقات جلنا، جلانا، اور جلتے بجھاتے ہوئے دیکھتا رہے گا اور اگر خلط سودا غالب ہے، تو وہ خواب میں اندھیرے، سیاہ ڈراؤنی چیزیں دیکھے گا اور اگر خون غالب ہے تو وہ سرور و مستیاں دیکھتا رہے گا۔ بہر حال اطباء کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق جسمانی کیفیات کے ساتھ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

(۳) فلاسفوں کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں۔ ان کی صورت مثالیہ فوٹو کی طرح عالم بالا میں منقوش ہے۔ اس لئے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے، تو اس کا انعکاس ہوتا ہے۔

منامی حقائق اور مسلک اہل سنت والجماعت :

(۴) اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں، جو کبھی بواسطہ فرشتے کے پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) ایک تو اُس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اس پر مقرر ہوتا ہے۔ یہ حق ہوتا ہے (۲) اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ (۳) تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں، وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا گیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک رو یا صالح یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈراؤنا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا خواب جو آدمی کے اپنے خیالات اور وساوس ہوتے ہیں۔ علماء تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے، اُس کا نام صدیقون ہے جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس کی زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرفات شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔

خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدد روایات احادیث میں آرہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتہً مجھ ہی کو خواب میں دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنالے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ جو حضور اکرم ﷺ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ مثلاً جو حلیہ شریف آپ ﷺ کا شروع کتاب میں گزرا ہے، اس کے خلاف دیکھے یا کوئی اور ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلاف شرع ہو، یا شان نبوی کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی کوتاہی اور قصور کی بناء پر ہوتا ہے۔ اس کو شتر ارج و مشائخ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، کہ ایک شے کو اگر سرخ آئینہ میں دیکھو تو سرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی غرض مختلف الانواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذات تو نبی کریم ہی کی نظر آتی ہے، لیکن اُس ذات اقدس کے ساتھ جو احوال و اوصاف نظر آتے ہیں، وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال خواب دیکھنے والے کے ہوں گے، ویسے ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی۔ مثلاً بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریم اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ مبتلا ہے۔ (خصائل)

(۳۹۰/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي اسْحَقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرحمن بن مہدی نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو سفیان نے ابی اسحق کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی۔ انہوں نے ابوالاحوص کے واسطے سے نقل کی اور انہوں نے

یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

شیطان، حضور اقدس ﷺ کی شکل و صورت نہیں بنا سکتا :

من رآنی فی المنام یعنی شیطان کو یہ قدرت، طاقت اور صلاحیت نہیں دی گئی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کی شکل و صورت اختیار کر سکے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں، وهذا معجزة له صلى الله عليه وسلم (اتحافات ص ۲۰۶) اور یہ بھی حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ہے۔

شیخ عبدالرؤفؒ تحریر فرماتے ہیں :

لانه سبحانه و تعالی جعله رحمة للعالمين هاديا للضالين محفوظا عن وسواس الشياطين و اذا تنور العالم بنوره و وجوده رحمت الشياطين لميلاده و هلمت بنیان الكهنة فكيف يتصور ان يتمثل الشيطان بصورته (مناوی ج ۲ ص ۲۹۱)

جبکہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے رحمت للعالمین بنایا، گمراہوں کے لئے ہادی بنایا ہر قسم کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھا اور جبکہ آنحضرت ﷺ کے وجود انور کے نور سے کل عالم کو متور فرمایا اور حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت شیطانوں پر سنگباری کر دی گئی اور اسی وقت کہانت کی بنیادوں کو گرا دیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور تصور کیا جا سکتا ہے کہ شیطان (نعوذ باللہ) آنجناب کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

(۳۹۱/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَّصِرُ أَوْ قَالَ لَا يَتَشَبَّهُ بِي .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار اور محمد بن ثنی نے یہ روایت بیان کی۔ وہ

دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے شعبہ نے ابو حصین کے حوالہ سے اور انہوں نے ابو صالح کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

راوی حدیث (۶۷۵) ابی حصین کے حالات ”تذکرہ راویان شامل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک طے شدہ امر :

حق تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ عالم حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرما دیا تھا۔ ایسے ہی حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدس کی ذات مبارکہ بعینہ نظر آتی ہے، یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذات اقدس کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورت مثالی کی زیارت ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فصل سے ایک بڑا آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے، جو اس آئینہ کو دیکھے، تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی۔ بعینہ اس کی ذات آئینہ میں نہیں آرہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو بعینہ ذات اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح مثال کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور اکرم کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم کی صورت کا۔

شیخ مدنی کی تقریر :

اس حدیث کے ذیل میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

ارشاد فرماتے ہیں :

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنجناب ﷺ کی صورت شیطانی تصرف سے محفوظ ہوتی ہے۔ جیسے حین حیات وہ شیطان آپ ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ ورنہ بہت دشواری پیش آتی۔ معلوم ہوا کہ خواب میں سے جو شیطانی قسم ہے، وہ یہاں نہیں چل سکتی اور قوتِ متخیلہ بھی یہاں نہیں چل سکتی، تو تیسرا احتمال متعین ہو گیا، جو کچھ آپ ﷺ کو دیکھا حق ہے، تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ ایک جماعت متکلمین اور محدثین کی اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کو خواب میں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وہ ان روایات میں تاویل کرتے ہیں۔ یا سند کے اعتبار سے ان کو ضعیف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرطبی نے رسالہ تاویل الاحادیث میں وہ اشکال نقل کیا ہے کہ آن واحد میں شخص واحد امکانہ متعدد میں نہیں دیکھا جاسکتا، مگر اس اشکال کا جواب گزر چکا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کہ باری تعالیٰ درمیان سے پردے ہٹا لیتے ہیں۔ تب انسان دیکھ سکتا ہے، مگر اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ جب عادت کے اعتبار سے ممکن ہے، تو پھر خرق عادت اور معجزہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

امر منامی کی شرعی حیثیت :

ابتداءً ایک اشکال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کو دیکھا، تو جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں، اس پر عمل واجب ہو، اگر کوئی انکار کرے تو اس کی تکفیر کرنی چاہئے۔ حالانکہ علماء امت میں سے کون بھی اس کا قائل نہیں کہ امر خوابی کو فرض قرار دے اور بعض نے یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ظاہر شریعت کے خلاف حکم دیا۔ جواب یہ ہے کہ خواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا انسان اس کا مکلف نہیں ہے۔ آپ ﷺ کا جو حکم حین حیات میں ہے، وہ واجب العمل ہے۔ ارشاد منامی کو ترک کیا جائے گا، اگر وہ معارض ہو، اگر معارض نہ ہو تو عمل کرنا جائز ہے، واجب نہیں۔

امام شاطبی کا نقل کردہ قصہ :

چنانچہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں ذکر کیا ہے کہ ایک مقدمہ کسی قاضی کے

پاس پیش ہوا، مگر اس وقت اس نے فیصلہ نہ کیا، اٹھ کر چلا گیا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں، اس مقدمہ کا فیصلہ نہ کرنا یہ محض کذب ہے۔ تو یہ اٹھ بیٹھا اور حیران رہ گیا کہ جب بیداری میں ان گواہوں کا تذکیہ ہو چکا ہے، تو ظاہر شریعت کو کیسے ترک کیا جائے۔ علماء کو جمع کیا، جنہوں نے فرمایا کہ تم ظاہر شریعت پر عمل کرو۔ اگر اس کو ایک حدیث بھی قرار دیا جائے، تو جو ظاہر احادیث ہیں، ان پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند کے زمانہ میں ایک طالب علم نے کہا کہ آنحضرت ﷺ مجھے فرماتے ہیں کہ تم شرح جامی نہ پڑھو۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تمہیں شرح جامی پڑھنی پڑے گی۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ بسا اوقات آنحضرت ﷺ کو اشکال مختلفہ میں دیکھا جاتا ہے۔ تو جب وہ شکل حلیہ مبارک کے خلاف ہو، تو وہ زیارت نہ ہونی چاہئے۔ اور یہی من رانی سے نکالتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنے حلیہ میں دیکھا جائے۔ مگر جمہور اس کے خلاف ہیں کہ حلیہ مبارک آئینہ ہے۔ جس میں دیکھنے والے کو اپنی شکل نظر آتی ہے۔ اس لئے اسے اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ جس سے مقصود اس کو تنبیہ کرنا ہوتی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو ہندوستان میں کوٹ پتلون پہنے ہوئے دیکھا۔ اس طرح ابن سیرین کے زمانہ میں آپ ﷺ کو لیٹے ہوئے حالت وفات میں دیکھا، تو ابن سیرین نے تعبیر دی کہ تم مسجد میں جا کر خلاف سنت کرتے ہو۔ اس سے امامت سنت مراد ہے۔ ذات میں تو تمثیل متخیلہ ہو نہیں سکتی، مگر صفات میں ہو سکتی ہے۔ یہی امام غزالی کی تحقیق ہے۔ قوتہ متخیلہ کی وجہ یہ ہے کہ ان الحس یغلط کثیراً (کہ حواس بہت غلطی کیا کرتے ہیں) اس کی مثال ایسے ہے جیسے ریل میں ہو تو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس مشاہدہ میں غلطی نہیں، لیکن قوتہ متخیلہ نے ایک حرکت جوڑ دی ہے اور اسی حس میں غلطی ہے۔

(۳۹۲/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَلْفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى قَالَ أَبُو عَيْسَى وَ أَبُو مَالِكٍ هَذَا هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشِيمٍ وَ طَارِقُ بْنُ أَشِيمٍ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَلَرَوِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثُ. وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُولُ قَالَ خَلْفُ بْنُ خَلِيفَةَ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ حَرِيْثٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا غُلَامٌ صَغِيرٌ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے خلف بن خلیفہ نے ابو مالک اشجعی کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی۔ ان کے باپ طارق بن اشیم سے یہ ارشاد نبوی منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا۔ اس نے حقیقت مجھ ہی کو دیکھا۔ اسلئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ ابو مالک سعد بن طارق بن اشیم ہی ہیں اور طارق بن اشیم حضور کے صحابی ہیں۔ اس نے کئی احادیث حضور ﷺ سے روایت کی ہیں اور میں نے علی بن حجر سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ خلف بن خلیفہ نے کہا کہ میں نے عمرو بن حریث جو کہ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، کو دیکھا اور میں چھوٹا بچہ تھا۔

راویان حدیث (۶۷۶) خلف بن خلیفہ (۶۷۷) ابی مالک الاشجعی اور (۶۷۸) ابیہ طارق بن اشیم کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

من رآنی فی المنام، مضمون حدیث سابقہ دونوں احادیث میں آچکا ہے۔

(۳۹۳/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كَلْبٍ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتِمَّنِّي قَالَ أَبِي فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَأَيْتَهُ فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتَهُ بِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّهُ كَانَ يُشَبَّهُهُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں قتیبہ بن سعید نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الواحد بن زیاد نے عاصم بن کلب سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ انہوں حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے، وہ حقیقت مجھ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اس

لئے کہ شیطان میرا شبیہ نہیں بن سکتا۔ کلیب کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارت اقدس میسر ہوئی۔ اُس وقت مجھے حضرت امام حسنؓ کا خیال آیا۔ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسنؓ کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسنؓ آپ ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔

راویان حدیث (۶۷۹) عبدالواحد بن زیاد اور (۶۸۰) عاصم بن کلیب کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

فذكرت الحسن یہ حدیث بھی گذشتہ احادیث کے ہم معنی ہے۔ البتہ اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو حضرت حسنؓ کے مشابہ پایا تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تصدیق کی۔ حضرت علیؓ سے بھی یہ ارشاد نقل ہوتا چلا آ رہا ہے کہ الحسن اشبه رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين الصدر الى الرأس والحسين اشبه النبي صلى الله عليه وسلم ما كان اسفل من ذلك (مواہب ص ۳۰۱) یعنی حضرت حسنؓ سر سے سینہ تک اور حضرت حسینؓ سینہ سے نیچے آپ ﷺ کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ وهذه الرؤيا تفيد أن الرائي وهو كليب رآه قريبا الى حقيقته صلى الله عليه وسلم۔ (اتحافات ص ۴۰۷) (اس خواب سے معلوم ہوا کہ خواب دیکھنے والے حضرت کلیبؓ نے آپ ﷺ کو حقیقی صورت کے قریب ہی دیکھا تھا)

(۳۹۴/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَوْفُ بْنُ أَبِي جَمِيلَةَ عَنْ يَزِيدِ الْفَارِسِيِّ وَكَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَشَبَّهُ بِي فَمَنْ رَأَى

فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَأَيْتُ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ
 أَنْعَتْ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ جِسْمِهِ وَ لَحْمِهِ أَسْمَرَ إِلَى الْبَيَاضِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ
 حَسَنَ الضَّحْكَ جَمِيلَ دَوَائِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتَهُ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ قَدْ
 مَلَأَتْ نَحْرَهُ قَالَ عَوْفٌ وَلَا أَفْرِي مَا كَانَ مَعَ هَذِهِ النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَأَيْتَهُ
 فِي الْيَقْظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هَذَا.

قَالَ أَبُو عَيْسَى وَ يَزِيدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ يَزِيدُ بْنُ هُرْمَزٍ وَهُوَ أَقْلَمُ مِنْ يَزِيدِ
 الرَّقَاشِيِّ وَ رَوَى يَزِيدُ الْفَارِسِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَحَادِيثَ وَ يَزِيدُ
 الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكْ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ يَزِيدُ بْنُ أَبَانَ الرَّقَاشِيُّ وَهُوَ يَرَوِي عَنْ أَنَسِ بْنِ
 مَالِكٍ وَ يَزِيدُ الْفَارِسِيُّ وَ يَزِيدُ الرَّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ وَ عَوْفُ بْنُ أَبِي
 جَمِيلَةَ هُوَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلَمٍ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ
 بْنُ شَمِيلٍ قَالَ قَالَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ أَنَا أَكْبَرُ مِنْ قَنَادَةَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ
 ہمیں اسے ابن ابی عدی اور محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عوف بن ابی
 جمیلہ نے یزید فارسی کے حوالہ سے یہ روایت بیان کی اور یزید فارسی کلام اللہ لکھا کرتے تھے
 یزید الفارسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نیند میں دیکھا۔ اس وقت ابن عباس
 زندہ تھے۔ میں نے یہ خواب ابن عباسؓ کو بیان کیا، تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور پاکؐ
 یقیناً فرماتے تھے کہ بیشک شیطان طاقت نہیں رکھتا کہ میری صورت پہ آسکے۔ لہذا جس نے
 مجھے نیند میں دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیا تو اس (ﷺ) شخص کی صورت مبارک کو
 جسے تو نے خواب میں دیکھا ہے بیان کرنے کی طاقت رکھتا ہے کہا کہ ہاں میں آپ کے
 سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک اور قد مبارک دونوں درمیانہ اور معتدل
 تھے۔ رنگ مبارک گندمی مائل بسفیدی تھا، آنکھیں مبارک سرگیں، خندہ رو، خوبصورت،
 گول چہرہ اقدس، گھنی داڑھی مبارک چہرہ اقدس کو گھیرے ہوئے تھی۔ سینہ پاک پر آئی
 ہوئی تھی۔ عوف کہتے ہیں کہ یزید الفارسی نے اور جو جو صفتیں بیان کیں، وہ مجھے یاد نہیں رہیں

پھر ابن عباس نے فرمایا (اے یزید الفارسی) اگر تو سیدو عالم ﷺ کو بحالتِ بیداری بھی دیکھتا تو اس تو صیف سے بڑھ کر حلیہ مبارک کے اوصاف نہ کر سکتا۔

راویان حدیث (۶۸۱) ابن ابی عدی (۶۸۲) عوف بن ابی جمیلہ اور (۶۸۳) یزید الفارسی کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

توضیح :

یزید الفارسی نے حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک بیان کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو حضور اقدس ﷺ کی زیارت مبارکہ مقدسہ، مطہرہ و منورہ سے خواب میں مشرف ہوتا ہے۔

وہ بعینہ اسی طرح مشرف ہوتا ہے، جس طرح حضور اقدس ﷺ بنفسِ نفیس ہیں۔ شمال ترمذی کے اولین باب میں حضور اقدس ﷺ کا تفصیل سے حلیہ مبارک نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہی صفات مبارک نقل ہوئے ہیں۔

(۳۹۵/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شَهَابِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأَى يَعْْنَى فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ ابن ابی زناد نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ابن اخی ابن شہاب زہری نے اپنے چچا (ابن شہاب الزہری) کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے واقعی امر دیکھا۔

راوی حدیث (۶۸۲) ابن اخی ابن شہاب الزہری کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

رویت حق کا معنی :

فقد رأى الحق اى فقد رأى رؤيا الحق وهى التى ليست من الشيطان - (اتحافات ص ۳۰۹)
 (یعنی اس نے بالکل سچا خواب دیکھا اور سچا وہی ہوتا ہے جو شیطان کی طرف سے نہیں ہوتا)
 حق : یقین کرنے واجب ہونے ثابت ہونے کو کہتے ہیں۔ الحق اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے،
 کیونکہ وہی واجب وہی ثابت اور حقیقہ وہی موجود ہے۔ باقی سب چیزوں کا وجود مثل عدم
 کے ہے، جو زوال پذیر ہے۔ شارحین نے اس حدیث شریف کے بہت معانی بیان فرمائے
 ہیں۔ حضرت ملا علی قاری امام کرمانی سے نقل کرتے ہیں :

ای الثابتة لا اضعاف فيه ولا احلام (جمع ج ۲ ص ۲۹۸) یعنی یہ اسی طرح صحیح اور درست ہے،
 جس طرح کہ دیکھا گیا ہے۔ اس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔

الطیبی فرماتے ہیں: الحق هنا حق یہی ہے۔ زین العرب فرماتے ہیں، الحق
 ضد الباطل حق ضد باطل ہے۔ یعنی یہ خواب حق ہی ہے۔ حضرت علامہ موصوف فرماتے
 ہیں :

نعم يصح يراد به الحق سبحانه على تقدير مضاف اى رأى مظهر الحق او
 مظهره و من رانى فسير الله سبحانه لان من رأى النبى صلى الله عليه و سلم فى المنام
 فسيرا يقظة فى دار السلام فيلزم منه انه ير الله فى ذلك المقام ولا يعدان يكون
 المعنى من رانى فى المنام فسيرى الله فى المنام فان رؤيتى له مقلمة او مبشرة
 لذلك المرام و قال الحنفى الحق مفعول به اى الامر الثابت الذى هو انا فيرجع الى
 معنى قوله فقد رانى - (جمع ج ۲ ص ۲۹۸)

یعنی ہاں صحیح ہے، اگر بتقدیر مضاف اس الحق سے مراد حق سبحانہ و تعالیٰ مراد لیا
 جائے گویا مظهر حق کو دیکھا یا اس کے مظهر کو (یعنی حضور اقدس ﷺ ہی اس سبحانہ و تعالیٰ
 کے مظهر ہیں) اور جس نے مجھے دیکھا عنقریب اللہ جل جلالہ کو دیکھ لے گا۔ اس لئے کہ جس
 نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا خواب میں تو عنقریب وہ بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت
 سے دارالسلام میں مشرف ہوگا۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ اللہ جل جلالہ کی زیارت اس مقام پر

کرے گا اور یہ بھی محال نہیں ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا تو وہ عنقریب اللہ تعالیٰ سبحانہ کو نیند میں دیکھے گا۔ بے شک حضور ﷺ کی زیارت اس امر کا پیش خیمہ اور خوشخبری ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سبحانہ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

(۳۹۶/۷) حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَخْبَرَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي قَالَ وَرَأَى يَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَارْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النَّبُوءَةِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد اللہ بن عبد الرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معلیٰ بن اسد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبد العزیز بن مختار نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ثابت سے حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے، اس نے حقیقتہً مجھ ہی کو دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا (وہ خواب جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھالیس جزو میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

راویان حدیث (۶۸۵) معلیٰ بن اسد اور (۶۸۶) عبد العزیز بن المختار کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مومن کا خواب نبوت کا چھالیسواں حصہ ہے :

وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ گذشتہ روایات کی نسبت اس روایت میں یہی بات زائد

ہے۔ شمال ترمذی کے آخری باب کی یہ آخری روایت ہے۔ یہاں محض مومن کی قید ہے۔

بخاری شریف میں رویا صالح کی قید ہے۔ علماء و شارحین حدیث نے یہاں بہت زیادہ

تفصیل سے علماء کے اقوال نقل کئے ہیں۔ علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ

اس کو علم نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے، اور علوم نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں۔

اس لئے اس کو بھی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے۔ مجملًا اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے، جو نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت و برکت کے لئے کافی ہے۔ باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔

طالبانِ علومِ نبوت کے لئے دو خصوصی نصیحتیں

حضور اقدس ﷺ کے شمال و خصائل سیرت مبارکہ اور اس کے متعلقات سے روایات، ترتیبِ ابواب و احادیث اختتام پذیر ہوئے۔ آخر میں امام ترمذیؒ طالبانِ علومِ نبوت کے لئے خصوصی تنبیہ و نصیحت اور خیر خواہی و فلاح کے پیش نظر دواثر نقل کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کے آخر میں کلمتان حبیبان، کا اندراج فرما کر ذکرِ الہی کی اہمیت و مطلوب ہونے پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اسی طرح امام ترمذیؒ آخر میں دواثر نقل کر کے بعض اہم اہداف کو ملحوظ رکھنے کی نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔

منقولات کے اتباع کا اہتمام :

(۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ

بْنُ الْمُبَارَكِ إِذَا ابْتُلِيَتْ بِالْقَضَاءِ فَعَلَيْكَ بِالْأَثَرِ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبد اللہ بن مبارک نے کہا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کی جیو۔

امام عبد اللہ بن مبارکؒ :

یہ اثر حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے، جو بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی، امام اعظم ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ صوفیاء میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔ بڑے زاہد عابد اور متقی و پرہیزگار ہیں۔ حفاظ حدیث میں بھی ان کا شمار اوائل میں ہوتا ہے۔ ان کی سیرت و سوانح پر بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ احقر نے بھی علماء احناف کے تذکرہ میں ان پر خصوصیت سے رسالہ لکھا ہے، جو کئی مرتبہ چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے۔

اتباع سنت کی تاکید :

اذا ابتليت بالقضاء یعنی جب تو قضا کے ساتھ آزما یا جائے، قاضی، حج، فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو اثر یعنی منقولات کی پیروی کی جیو، یعنی حضور اقدس ﷺ کے ارشادات، خلفائے راشدین کے اقوال پر عمل کرنا ہے۔ تاکہ گمراہی کے دلدل میں پھنسنے سے بچا جاسکے۔ اثر سے مراد حدیث بھی ہے، صحابہ و تابعین کے اقوال بھی اور افعال بھی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کی یہ نصیحت قضا سمیت زندگی کے تمام حالات و معاملات کو شامل ہے۔ امام ترمذیؒ اس بات پر بھی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا۔ جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مہتمم بالشان تنبیہات ہیں۔

امام بخاریؒ نے کلمتان حییتان عند الرحمن ثقیلتان فی المیزان خفیفتان علی اللسان سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (دو کلمے ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں وزن میں بھاری ہیں اور زبان پر ہلکے اور آسان ہیں) (وہ دو کلمے) سبحان اللہ و بحمدہ اور سبحان اللہ العظیم ہیں) ان کا مقصد یہ ہے کہ ذکر الہی مطلوب ہے۔ اور امام ترمذیؒ متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ طالب علم کے لئے تحصیل علم حدیث ضروری ہے اور خصوصاً جب قاضی بننا ہو۔ امام شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قد وہ (مقتدی) وہ نہیں ہو سکتا، جو کہ محدث، مفسر، فقیہ اور صوفی نہ ہو۔ تو پہلے اثر میں یہ نصیحت ہے کہ دین کا مدار آنحضرت ﷺ کے اتباع پر ہے۔ لہذا ہر فیصلہ میں حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا چاہیے۔

گذشتہ باب سے مناسبت :

گذشتہ باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے۔ اس لئے اُس میں بھی اپنی رائے سے غتر بودنہ کرنا چاہئے، بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعینؒ سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فن تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھ دار متقی، پرہیزگار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب

کی لغات اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی شرائط اور آداب علم تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

علم حدیث میں اُستاد کا انتخاب :

(۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْفٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ

قَالَ هَذَا الْحَدِيثُ دِينٌ فَانظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابن عوف نے دی۔ انہوں نے اسے ابن سیرین سے نقل کیا۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں۔ لہذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

علم الحدیث دین ہے :

هذا الحديث دين یہ دوسرا قول امام ابن سیرین کا ہے جو تعبیر الروایا کے

بہت بڑے امام تھے۔ بہت بڑے محدث زاهد عابد فقیہ اور مجتہد تھے۔ سید التابعین ہیں۔ حضرات صحابہ کرام سے تعلیم و تربیت کی سعادت حاصل کی۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ علم حدیث دین ہے اور دین کا مدار ہے۔ حدیث قرآن کی تفصیل و تشریح اور عملی تعبیر و تفسیر ہے۔ لہذا استاذ کا انتخاب بھی اسی نسبت و معیار سے کیا جائے کہ وہ متدین ہو، عالم ہو، عامل ہو اور متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ منشأ نبوت کو سمجھتا ہو۔

تکمیل روایت :

یہ دراصل ایک مرفوع حدیث کا حصہ ہے۔ علامہ علی قاری نے اسے اپنی کتاب میں مکمل نقل کر دیا ہے۔ اِنَّ هَذَا الْحَدِيثَ دِينٌ وَالصَّلَاةُ دِينٌ فَانظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ هَذَا الْعِلْمَ وَ كَيْفَ تُصَلُّونَ هَذَا الصَّلَاةَ فَاِنَّكُمْ تُسْأَلُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ - (جمع ج ۲ ص ۳۰۲)

یعنی علم حدیث بھی دین ہے۔ لہذا اچھی طرح جانچ لو، پرکھ لو کہ یہ علم تم کن لوگوں

سے حاصل کر رہے ہو، اور نماز کس طریقہ سے ادا کر رہے ہو، کیونکہ ان کے متعلق قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا۔

امام ترمذی کی غرض ایرادِ اثر :

امام ترمذی امام ابن سیرین کے قول کی روشنی میں ادھر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ہر کس و ناکس، فاسق و فاجر سے علم حدیث حاصل نہ کرو، بلکہ استاذ کو دیکھو، اس کے علم، اس کے دین، اس کے اعتقاد، مسلک، عمل اور تقویٰ و دیانت کو پرکھو، اگر علم و عمل میں کوتاہی کرتا ہے یا بے دین اور بد عمل ہے، تو وہ قابل اتباع نہیں ہے، اس کی صحبت کے برے اثرات مرتب ہوں گے۔ ادھر بھی توجہ دلائی کہ خود رائی، عجب، عقل و ذہانت پر غرور اور گھمنڈ، مضرت رساں ہے، بلکہ احادیث، صحابہ کے اقوال، تابعین کے ارشادات اور اکابر و علماء اور صلحاء کے ہدایات کی پیروی کرنی چاہئے۔

باب سے مناسبت :

اس حدیث کو باب سے بھی خاص مناسبت ہے کہ تعبیر الروایا، ایک خاص علم ہے اور نبوت کا چھیلیسواں جزء ہے۔ اس کا تعلق بھی علم سے ہے۔ گویا خواب کی تعبیر ایک علمی فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں اپنی رائے اور اپنی تعبیرات سے بچا جائے۔ اسلاف کی تعبیروں سے استفادہ کرنا چاہئے، چونکہ یہ تعبیر مہتمم بالشان ہے۔ اس لئے جس پر اعتماد کر کے تعبیر لے رہے ہو، اسے بھی دیکھا کرو کہ وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ تعبیر دینے والا شخص سمجھ دار ہو، علم تعبیر الروایا سے مناسبت رکھتا ہو۔ متقی و پرہیزگار ہو، سنت رسول اور علم حدیث سے واقف ہو، محاورہ، لغت اور مروّجہ امثال کو بھی خوب جانتا ہو۔ شیخ عبدالرؤف رقمطراز ہیں : و اخرج الشافعی عن عروة انه كان يسمع الحديث فيستحسنه ولا يرويه لكونه لا يثق ببعض رواة لئلا يأخذ عنه (مناوی ج ۲ ص ۳۰۲) یعنی حضرت عروہ غیر عامل شخص سے روایت تو لیتے تھے، لیکن اس کو آگے نہیں بیان کرتے تھے کہ کہیں لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کو مقتدی نہ بنالیں۔

شیخ ابراہیم البجوریؒ موہب ص ۳۰۵ میں ارشاد فرماتے ہیں :

انما ختم المصنف رحمه الله تعالى كتابه بهذين الاثرين اشارة الى
الحث على اتقان الحديث و الإكثار منه و بذل الجهد في تحصيله و ختمه بذلك
نظير الابتداء في أكثر كتب الحديث بحديث انما الاعمال بالنيات احسن الله البدأ
والختام بجاه النبي عليه الصلوة والسلام و آله و اصحابه السادة الكرام و جمعنا و
اياهم في دار السلام بسلام و الحمد لله رب العالمين و هو حسبي و نعم الوكيل
ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم (اور مصنفؒ کی غرض اپنی کتاب (شماں) کو ان
دو آثار پر ختم کرنے سے علماء اور طلباء حدیث کو ضبط و اتقان حدیث اور کثرت روایات اور
اس کے تعلیم و تعلم میں خلوص نیت اور پوری جدوجہد محنت اور کاوش پر براہیختہ کرنا مقصود ہے
اور اس طرز اختتام میں ان محدثین کرام کی مشابہت بھی جنہوں نے کتب حدیث میں ابتداء
و آغاز انما الاعمال بالنيات سے کر کے طلبہ علوم دینیہ کو ان کے حصول میں خلوص نیت کی
ترغیب دلانی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتداء و اختتام کو بحرمت النبی الکریم علیہ الصلوة والسلام
احسن اور بہتر بنا دے آمین۔ و صلی اللہ علیہ و علی آله و اصحابہ السادة الكرام
و جمعنا و اياهم في دار السلام و الحمد لله رب العالمين و هو حسبي و نعم الوكيل ولا
حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم)

=====

آج بعد از نماز مغرب بروز جمعہ المبارک ۱۶ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ بمطابق ۱۷

مئی 2004ء شرح شماں ترمذی کی جلد ثانی بھی تکمیل پذیر ہوئی۔ یہ خالص اللہ ہی کا فضل و
کرم، اسی کی توفیق و عنایت لطف بے غایت اور حضور اقدس ﷺ سے ایک ادنی امتی
ہونے کی حیثیت سے نسبت کی برکت ہے۔ والحمد لله على ذلك حمداً كثيراً.....

کہاں میں کہاں یہ نگہت گل

نسیم صبح تیری مہربانی

صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آله و صحبہ اجمعین

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

صفحہ	نام کتاب
۱۶۰۸	شرح شمائل ترمذی (۳ جلد مکمل)
۲۰۶	جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر
۱۵۶	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں
۲۱۰	ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضو افشائیاں
۲۰۲	آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں
۱۹۷	محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں
۱۸۷	محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال
۱۶۶	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر
۱۵۳	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون و فیکس ! 630094 --- 630237 (0923)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جمال محمد ﷺ

کادرِ بامنظر

مولانا عبدالقیوم حقانی

محبوبِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ جہاں آراء چہرہ انور کی صباحت و ملاحت، جسم اطہر کی خوبصورتی، زلفوں، ناک، دہن، رخسار، کاندھوں، انگلیوں کے پوٹوں، دانتوں، جوڑوں، الغرض تمام اعضاء و اندام کا تناسب و نورانیت، قد و قامت کا اعتدال، نگاہوں کا حسن و جمال، معتدل رفتار، خاندانی تفوق و امتیاز، محبوبیت اور ہیبت و جلال، مہر نبوت کا تعارف اور دلچسپ تفصیلات، شمائل ترمذی کی (۲۲) احادیث کی مفصل تشریح و توضیح کی روشنی میں جمال محمد ﷺ کا حسین و ایمان افروز اور دلِ بامنظر.....

صفحات : 206 قیمت : -/120 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

سرحد پاکستان فون : (0923)630237 فیکس : 630094

سوانح مجاہد ملت

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی

رحمة الله عليه

از ! مولانا عبدالقیوم حقانی

تذکرہ و سوانح، تحصیل علم و تکمیل، خدمت علم و تدریس دعوت و جہاد، شخصیت و کردار، اخلاص و للہیت، صبر و استقامت فقر و ایثار، خوش طبعی و لطائف، روحانی مقام اور اوراد و وظائف، فرق باطلہ کا تعاقب، قادیانیت، شرک و بدعت اور روافض کا رد، تحریک ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار، قومی و ملی اور سیاسی خدمات اور سفر آخرت کی ایمان افروز داستان شاندار طباعت، کمپیوٹر کمپوزنگ، مضبوط جلد بندی اور دیدہ زیب کمپیوٹرائزڈ ٹائٹل -

صفحات 227 قیمت : =/90 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین پیش کش

اماں جی مرحومہ و مغفورہ

تحریر!

مولانا عبدالقیوم حقانی

مولانا عبدالقیوم حقانی کی سحر انگیز قلم سے ایک حیرت انگیز روح پرور اور ایمان افروز داستانِ عبرت جسے پڑھ کر پتھر دل نرم اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسی داستان جو سبق آموزی میں سب کے لئے یکساں ہے۔ چار رنگہ کمپیوٹرائزڈ خوبصورت ٹائٹل، شاندار طباعت، مضبوط جلد بندی اور نفیس کاغذ میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ خواہشمند حضرات القاسم اکیڈمی سے طلب کر سکتے ہیں۔

صفحات : 135 قیمت : 75 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی ایک اور عظیم تاریخی پیشکش

معروف سکالر، عظیم داعی، مفسر قرآن، شارح حدیث
حضرت العلامة مولانا قاضی محمد زاہد الحسنیؒ کے علمی و دینی مکتوبات کا مجموعہ

کشکولِ معرفت

(مکمل)

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

علم و عمل، دین و دنیا، مسنون و طائف، مفید کتابوں کا تعارف، مغربی سیاست
کی مضرت، دینی سیاست کی ضرورت، تصوف و سلوک اور شریعت و طریقت
کی جامعیت کا دلچسپ مرقع

صفحات : 458 قیمت : -/180 روپے

القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النبیویؐ

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکہ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیقی تعلیقات اس پر مستزاد۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ، طلباء اور مدارس کے لئے خاص رعایت۔

صفحات : 1376 ریگیزین قیمت : 600 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

القاسم اکیڈمی کی ایک تاریخی پیشکش

سوانح شیخ الاسلام

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

☆ سلسلہ نسب ابتدائی تعلیم، اساتذہ اور دلچسپ واقعات ☆ احترام اساتذہ، شیخ الہند سے عشق و محبت اور دوران اسارت خدمت و مصاحبت ☆ شیخ الہند کا جانشین ☆ سیرت و کردار اخلاص و للہیت، جود و سخا، بے نیازی و استغناء اور جامعیت ☆ انداز تدریس، درس حدیث سے عشق و انسہاک، طلبہ پر شفقت و محبت، محدثانہ جلالتِ قدر اور بعض درسی افادات ☆ خوفِ خدا، تقویٰ، ایثار و توکل، اعلیٰ اخلاقی اقدار، خدمتِ خلق اور مہمان نوازی ☆ انابت و عبادت، نماز سے محبت اور شوقِ تلاوت ☆ حضور اقدس ﷺ سے عشق و محبت، اطاعت، اتباع سنت اور استقامت ☆ سادگی و بے نفسی، صبر و تحمل، عفو و کرم اور تواضع و خاکساری ☆ احسان و تصوف اور سلوک و معرفت میں عظمتِ مقام، مرجعیت، محبوبیت اور فنائیت ☆ وعظ و خطابت، ارشادات و ملفوظات اور ایمان افروز باتیں ☆ روایے صالحہ اور کرامات ☆ ذوق شعر و ادب اور پسندیدہ اشعار ☆ مکتوبات ☆ لطائف و ظرائف ☆ حضرت مدنیؒ کا سفر آخرت ☆ خوانِ یغما اور اس جیسے دیگر دلچسپ واقعات کا حسین مرقع -

صفحات : 272 قیمت : 120 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ صوبہ سرحد پاکستان

مجلد اسلامیات کی کتابیں

